پہچان

کوثر اختر کاظمی

پہچان

کوثر اختر کاظمی

نقش
NAQSH

Marfat.com

۳۹۷۶۷
ک ۸ پ د
۷۷۲۹۹

جملہ حقوق بحقِ مصنفہ محفوظ ہیں

نامِ کتاب	:	پہچان
مصنفہ	:	کوثر اختر کاظمی

Email: akhtarkay@hotmail.com Mobile #: 0334-3125229

سرورق	:	عافیہ و بسمہ
کتابت و تصحیح	:	نقش پبلیکیشنز
ناشر	:	ایضاً
طابع	:	البرکہ، کراچی
سالِ اشاعت	:	۲۰۰۸ء
تعداد	:	پانچ سو
قیمت	:	۱۵۰ روپے

NAQSH

نقش پبلیکیشنز

۵۰۵، فیز۲، رفیق پلازا، بالمقابل ماما پارسی سکول، نزد سعید منزل
ام۔اے۔ جناح روڈ، کراچی۔ فون: ۲۱۵ ۲۰۲۷-۰۲۱
ای۔میل: naqshpublications@yahoo.com

اپنے بیٹے سید عمر کاظمی، بیٹی سحر کاظمی

اور

آنے والی نسلوں کے نام

Marfat.com

معذرت

''پہچان'' میں کسی قسم کی نادانستہ غلطی ہو جانے یا
کوئی خامی رہ جانے پر معذرت خواہ ہوں۔

کوثر اختر کاظمی

Marfat.com

کوائف

نام:	کوثر اختر کاظمی
آبائی وطن:	سہارن پور، یوپی (انڈیا)
مقامِ پیدائش:	میرٹھ، یوپی (انڈیا)
والد:	محمد رضی اختر (۱۹۰۴ء-۱۹۷۹ء)
	تحصیل دار، ضلع میرٹھ، یوپی (انڈیا)
دادا:	محمد اسحاق (۱۸۶۰ء-۱۹۱۷ء)
	تحصیل دار، ضلع سہارن پور، یوپی (انڈیا)
نانا:	طفیل احمد (۱۸۹۸ء-۱۹۸۶ء)
	ڈپٹی کلکٹر، سلطان پور، یوپی (انڈیا)
شوہر:	سید اقبال کاظمی (چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ)
	اٹامک انرجی آف کینیڈا سے وابستہ رہے
بیٹا:	سید عمر کاظمی (میڈیکل اسٹوڈنٹ)
بیٹی:	سحر کاظمی (اے۔ لیول سے فارغ التحصیل)

Marfat.com

تعلیمی پس منظر:	★ ایم۔ایس سی مائیکروبیالوجی، کراچی یونیورسٹی (۱۹۷۳ء) ★ بی۔ایڈ، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، کراچی (۱۹۷۶ء) ★ کریڈٹ کورسز، اوٹاوا یونیورسٹی، کینیڈا • امیونولوجی (۱۹۹۲ء) • مالیکیولر بیالوجی (۱۹۹۷ء) • کمپیوٹر ٹریننگ کورسز الگونکن کالج کینیڈا (۱۹۹۵۔۹۶ء)
پیشہ ورانہ وابستگی:	★ پاکستانی اور غیر ملکی فارماسیوٹیکل کمپنیز میں بحیثیت مائیکروبیالوجسٹ (۱۹۷۳ء۔۱۹۷۶ء) ★ نواب شاہ میڈیکل کالج (ڈیپارٹمنٹ آف پیتھالوجی) بحیثیتِ مدرس (۱۹۷۸ء۔۱۹۸۵ء) ★ سنٹر برائے فوڈ اینڈ اینیمل ریسرچ گورنمنٹ آف کینیڈا کے تحقیقی ادارے سے وابستگی (۱۹۹۴ء۔۱۹۹۵ء) ★ فاطمہ جناح ڈینٹل کالج کراچی میں تدریس (۱۹۹۷ء۔۱۹۹۸ء) ★ بقائی میڈیکل یونیورسٹی کراچی میں INVIRTO FERTILIZATION کے تحقیقی ادارے سے وابستگی (۱۹۹۸ء۔۲۰۰۵ء)
معاشرتی سرگرمیاں:	★ کینیڈا میں کینیڈا پاکستان ایسوسی ایشن کی چیر پرسن (۱۹۸۶ء۔۱۹۸۷ء) ★ FM 100 اور FM 101 ریڈیو اسٹیشن کراچی سے INVIRTO FERTILIZATION کے موضوع پر ہفتہ وار معلوماتی پروگرام (تقریباً ۳ سال)

Marfat.com

ترتیب

○ مشاہدۂ حق	۔ اکبر خان کیانی	۱۱
○ عظمت کی پہچان	۔ فاطمہ ثریا بجیا	۱۵
○ ادراکِ حقیقت	۔ پروفیسر ہاشم جلالی	۱۷
○ شمعِ حقیقت	۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عادل	۱۹
○ تعارفِ کتاب	۔ حسن بانو	۲۳
○ محرکِ اول	۔ کوثر اختر کاظمی	۲۹
○ پہچان		۴۳

Marfat.com

اکبر خان کیانی
ناشرِ کتابِ ہٰذا

مشاہدۂ حق

انفس و آفاق کے بحرِ زخار کے اسرار کی جویائی کا جذبہ بھی ابتدائے آفرینش کے ساتھ ذاتِ بشر میں خلق کیا گیا ہے۔عقل و شعور کی قوتوں کو بروئے کار لا کر انسان کو مظاہرِ کارخانۂ قدرت کی ماہیت کا ادراک کرنے کی کوشش کرنا چاہیے فضاؤں کا بےکراں خلا ، اجرامِ فلکی کی گردش ، طلوع و غروبِ آفتاب اور برق و باراں کے مناظر ایسے مادّی عناصر سمیت دیگر موجوداتِ عالم کی عقدہ کشائی کے لیے اشرف المخلوقات کو اپنے فطری ذوقِ تجسّس سے کام لینا چاہیے۔ اِسی جبلّی جذبۂ تفحص کو زندگی کے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنے کا نام سائنس ہے۔

مصنفۂ کتابِ ہٰذا کوثر اختر کاظمی کا بنیادی تعلق سائنس کے شعبے سے ہے وہ ایک حلیم و سلیم طبیعت ، دیدۂ بینا اور ذہنِ بیدار کی مالک خاتون ہیں ''پہچان'' کے زیرِ عنوان اُنھوں نے ہلکے پھلکے اور سیدھے سادے پیرایے میں

Marfat.com

اپنی یادداشتیں سپردِ خامہ وقرطاس کی ہیں۔ عالمِ ہست و بود اور وحدت الوجود کے حوالے سے مصنفہ کا اپنی زندگی کے مختلف الادوار مشاہدات ومحسوسات کا اظہار اِن یادداشتوں کی منفرد خصوصیت ہے۔ اِس باب میں کی گئی تمام تر خامہ فرسائی ، جس کا اندازِ بیان تمثیلی ہے ، کی اساس قاری کے اسپِ فکر کو مہمیز کرنا ہے۔ جدید کیمیائی آزمایشی عمل کے تحت انسانی خِلقی مراحل کا دلچسپ ذکر بھی صاحبۂ تصنیف معرضِ تحریر میں لائی ہیں۔ بقولِ غالبؔ:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

لیکن مصنفہ کے اسلوبِ نگارش کا یہ وصفِ خاص ہے کہ اُنھوں نے اِس شعر کے مصرعِ ثانی کے معنوی مفہوم کے علی الرّغم مشاہدۂ حق کی گفتگو کی ہے سائنس کے شعبے سے علاقہ مندی کے باعث موضوع کے ذیل میں کئی مقامات پر اُنھوں نے سائنسی توجیہات بھی کی ہیں۔

اصل میں مادّی اقدار کے غلبے نے انسان کو جویندگیِ ذات اور علتِ ایجاد کی سعیِ معرفت سے غافل کر رکھا ہے ، حالانکہ حیاتِ شعوری کے بغیر حیاتِ مادّی بھی بےکار اور بےلطف ہے۔میری ناچیز رائے میں متشکک طرزِ فکر ہی اسرارِ کونین کے قصر کی واحد کلید ہے ، کیونکہ قلزمِ حقائق میں غوطہ لگائے بغیر تہ نشیں موتی ہاتھ نہیں آسکتے۔ خدا کے نام سے قطعِ نظر سائنس کی روزافزوں ترقی انسان کو خدا کے اثبات کی راہ پر گام زن کر دے گی ، کیونکہ مختلف ادیان و مذاہب میں خدا کا تصور جدا ہے.اور وہ بھی خالقِ حقیقی کے

حصولِ تقرب ہی کے راستے ہیں جن کی منزل ایک ہی ہے:

بستے ہیں ترے سایے میں سب شیخ و برہمن
آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا
(دردؔ)

نظریۂ الحاد سے بھی مادّی طور پر تصوّرِ وحدت الوجود ہی مستنبط ہے علت العلل یا محرّکِ اوّل خدائے واحد ہی کی ذات ہے۔ صحیفۂ قدرت کے اوراقِ پراگندہ کا عمیق مطالعہ ہم کو قادرِ علی الاطلاق آفاقی توانائی کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے:

جو دیکھا غور سے، یہ بات ثابت ہو گئی آخر
وہی اوّل، وہی آخر، وہی باطن، وہی ظاہر
(اکبرؔ)

راقم الحروف کے نزدیک صنّاع وصنّاعیِ عالم کے خصوص میں اِن رشحاتِ قلم کا انتہائی متاثّر کن پہلو مذہبی اور عمومی نقطۂ نظر سے صاحبۂ کتاب کا مرتّب ومتوازن طرزِ تحریر ہے۔ دعاگو ہوں کہ حصولِ معرفت وقربتِ خدا کی جانب عامتہ النّاس کو راغب کرنے کی موصوفہ کی یہ اخلاص مندانہ، دردمندانہ اور حکیمانہ سعیِ بلیغ مشکور ہو۔

نقش پبلیکیشنز کی مطبوعہ ایک کتاب کے معیار سے متاثّر ہو کے ادارۂ ہٰذا کو اپنی تصنیف 'پہچان' کی کتابت، طباعت اور اشاعت کا خوش گوار فریضہ تفویض کرنے کی عزّت افزائی وکرم فرمائی پر ادارہ خصوصی طور پر مصنّفہ کا شکرگزار ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

فاطمہ ثریا بجیا

عظمت کی پہچان

میری بہن کوثر اختر کاظمی! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہانت ، ایمان اور ایسے علم کی طاقتوں اور روشنیوں سے منور کر رکھا ہے جس علم اور اُس کی روشنی کا آغاز سرکارِ دوعالم حضرتِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک سے ہوا تھا۔ میں نے دو رات قبل بدھ والی شب کو ''پہچان'' کے اوراق کھولے سبحان اللہ! مجھے بھی اپنا بچپن یاد آ گیا ، اپنی تربیت ، اپنے مرحوم بزرگوں کے رویوں کے منظر کھل گیا ...... کسی کو برا نہیں کہنا ہے ، دل آزاری نہیں کی جائے گی۔ شائستگی کے حوالے سے کوثر کاظمی کی والدہ کے جملے ہماری تہذیب اور اخلاق کے ماتھے کا جھومر ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ ''پہچان'' کیا کہنے! میں نے اِتنی خوب صورت ، ذہن و دل کو منور کرنے والی تحریر برسوں سے نہیں دیکھی تھی۔ تاریخ کے حوالے سے ہزاروں ، شاید لاکھوں صفحے نظر

Marfat.com

سے گزرے ، ادب اور شاعری کے حوالے سے بہت کچھ پڑھا ہے ، مگر میری بہن کوثر کاظمی! آپ کی ''پہچان'' کے مختصر سے صفحات میں انسان کے وجود اُس کی تخلیق ، اُس کی قوتیں ، اُس کی مجبوریاں اور آزمایشیں ، انسانی ہمت عقل و دانش ، صبر۔ بڑا انسان بن جانے کی کون سی بلندترین سیڑھی ہے جس کا پتا آپ کی مختصر سی تحریر ''پہچان'' میں نہیں ملتا۔ ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ'' اور فکر کی روشنی میں ہر لمحے اضافہ ہوتا ہی رہے! اِس وادیِ کائنات کی بےحساب وسعتوں ، بلندیوں اور گہرائیوں کو جس حسن و خوبی سے کوثر! آپ کے قلم نے سمیٹا ہے کہ ازل تا ابد کی پنہائیاں ، بلندیاں ، وسعتیں ، رحمتیں آزمایشیں ، انسانی حیات کا کون سا پہلو ہے جسے آپ کے طاقت ور نورِ ایمان سے منور ذہن اور قلم نے ''پہچان'' کے چند صفحوں میں اِس طرح سمیٹ لیا ہے جیسے آپ نے بچپن میں آسمان کی بلندی اور وسعتوں میں اُن ستاروں اور سیاروں کو گننے اور سمیٹنے کی کوشش کی تھی۔ آپ کی نوعمری کی وہ کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ آپ کے قلم اور خوب صورت ذہن نے ''پہچان'' کے صفحوں میں سچ مچ کائنات کو سمیٹ لیا ہے:

اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے!

Marfat.com

پروفیسر ہاشم جلالی

ادراکِ حقیقت

زیرِ نظر تصنیف میں مصنفہ نے اپنے آپ کو اور اپنے قدموں کو یقین اور ایقان کے وزن سے مستحکم رکھا ہے۔ اللہ، اُس کے بھیجے ہوئے برگزیدہ بندوں، اُن کی زندگیوں، اُن کی کاوشوں اور اعمال پر یقین رکھتے ہوئے اللہ کی بنائی ہوئی سائنس فطرت، اسرارِ حیات، رموزِ زندگی کا ادراک کرنے کی کوشش میں وہ میرے نزدیک بڑی حد تک کامیاب ہیں۔

مصنفہ نے جس محنت سے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے، وہ لائقِ تحسین ہے۔ یہ کتاب ایک احساس ہے، حیات اور حقیقت کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے، اور ایسی کوشش اِس لیے قابلِ تحسین ہے کہ اِس میں محض مادیت کو جگہ نہیں دی گئی ہے بلکہ روحانیت کو فضیلت دی گئی ہے چنانچہ یہ ایک کوئی سرا نہ رکھنے والی کوشش نہیں بلکہ اِس کا ایک باقاعدہ اور

Marfat.com

منطقی آغاز ہے اور ایک سائنٹفک سوچ ہے جو روح کی حقیقت سے انکار نہیں کرتی اور اللہ کی طاقت کا اعتراف کرتی ہے۔ اِس کا کردار بچپن ہی سے اپنی زندگی شناسی کی مہم کا آغاز کرتا ہے اور سوچنا شروع کرتا ہے اور احساس کے سمندر میں کود جاتا ہے ، اور پھر اُس سمندر کی آغوش سے نکلے موتی اور دوسرے قیمتی پتھر ہماری نظروں کے سامنے ڈھیر کر دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ جیسے اُس نے غور کیا آپ بھی غور کریں اور سب لوگ غور کریں اور اِس طرح اپنی دنیا کی اور کائنات کی شناخت اور پہچان کے سلسلے میں اپنا اپنا کردار ادا کریں۔

میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اِس کتاب کا پڑھنے والا آغاز سے یا کچھ دور آگے چل کر خود کو پہچان کے اِس عمل میں شریک سمجھنے لگے گا اور اِس سفر میں شامل ہو جائے گا اور خود ایک مسافر بن جائے گا۔

Marfat.com

پروفیسر ڈاکٹر **محمد عادل**
ایم۔اے، ایل ایل۔بی، پی ایچ۔ڈی
مدیرِ اعلیٰ 'یقین انٹرنیشنل'، کراچی

شمعِ حقیقت

لَو شمعِ حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے
فانوس کے پردے میں کیا کیا نظر آتا ہے

'پہچان' کی مصنفہ نے زندگی کے مختلف اتار چڑھاؤ کا مطالعہ کر کے زندگی کے بہاؤ کو کوزے میں بند کرنے کی اچھی کوشش کی ہے اور احسن طریقے سے زندگی کے کارزارِ ہستی میں کسی نادیدہ حقیقت کی کارفرمائی کو متنوع شکل میں دکھایا ہے۔ درحقیقت یہ مصنفہ کے ذہنی، جسمانی اور روحانی اسفار کے تاثرات کا مجموعہ ہے جس کو تسلسل سے جوڑا جائے تو عمل ردِ عمل اور توازنِ عمل ہی رہتا ہے۔

صاف نظر آئے گی صانعِ حقیقت کی جھلک
سامنے کچھ نہ رکھ آئینۂ فطرت کے سوا

عمل کا دارومدار دراصل نیت پر موقوف ہے۔ جس نیت سے عمل درآمد ہوگا، اُسی طرح اُس کا نتیجہ بھی برآمد ہوگا:

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم روئید ، جو زِ جو
(یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جیسا بوؤ گے ، ویسا کاٹو گے)

علم کی حقیقت معلوم کرنے سے عاجز ہونا اُس کی حقیقت ہی کا معلوم کرنا ہے۔ جس نے اِس حقیقت کو تسلیم کر لیا ، وہ راہِ راست پر آگیا اور واقفِ رازِ حقیقت ہوگیا۔ زیرِ بحث کتاب کے تبصرے سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اِس علمی حقیقت سے ناواقف رہا ، وہ جہالت کی حالت ہی میں رہا اور راہِ راست نہ پاسکا۔ انسان اپنے عناصر کی ترکیب کی وجہ سے مشاہدۂ حق سے محروم رہا اور اُس کے مقابلے میں حرصِ دنیوی کی وجہ سے اسرارِ حقیقت سے محروم رہا:

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے ، پردہ ہے ساز کا

بندے کا وجود بنانے والے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے اور انسان بلاشبہ ظالم و جاہل ہے۔ خالقِ حقیقی نے خلقت کو اندھیرے (رحمِ مادر)

Marfat.com

میں پیدا فرما کر اپنا پرتَو ڈال دیا اور روشنی عطا کر دی۔ بس یہ حجابِ ظلماتی عالمِ ناسوت میں اُس کی طبیعت کی وجہ سے جو اُس سے تعلق رکھتی ہے اور اُس کی عقل کی وجہ سے اُس میں تصرف کرتی ہے، خود اُس کا مزاج واقع ہوا ہے اسی لیے اُس نے اپنی جہالت پر اکتفا کرلیا۔ معرفتِ الٰہی حق کی تحقیق ہے جس کے لیے نیت کا صحیح ہونا، یعنی حقیقی تڑپ کا دل میں ہونا ضروری ہے۔ حقیقت کا ظاہر باطن کے بغیر منافقت ہے اور باطن ظاہر کے بغیر بے راہ روی ہے۔

کتابِ ہٰذا کا موضوع پاک و صاف ہے۔ مصنفہ کمالِ خوبی سے ایک عام منظر کو صدیوں پیچھے کی تاریخ سے اِس طرح جوڑ دیتی ہیں کہ قاری خود کو اُسی کیفیت سے گزرتا ہوا محسوس کرتا ہے جس میں کتاب کا کردار ڈوبا ہوا نظر آتا ہے:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کنند کہ جا ایں جا است
(سر سے پاؤں تک جہاں کہیں نظر پڑتی ہے، دل وہی پکار اٹھتا ہے کہ
خوب سے خوب تر ہے)

کتاب کے مطالعے سے کچھ حاصل کرنے کے لیے جذبِ صادق کا ہونا شرط ہے۔ اِس کا ہر ہر لفظ دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے:

للہ الحمد، ہر آں چیز کہ خاطری خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید
(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہر وہ چیز جو دل چاہتا ہے، آخرِ کار تقدیرِ الٰہی
کے پردے سے ظاہر ہوگئی)

Marfat.com

''پہچان'' کے بارے میں مَیں یہی کہنا چاہوں گا کہ مصنفہ کے دماغ کے پردے پر جو تاثر قائم تھا، وہ اللہ کے حکم سے الفاظ کی صورت میں ڈھل گیا۔

۲۲-۲۴۴

Marfat.com

حسن بانو
اسسٹنٹ پروفیسر سندھ میڈیکل کالج
ڈاؤ یونیورسٹی آف ہیلتھ سائنسز، کراچی

تعارفِ کتاب

کوثر کاظمی کی کتاب 'پہچان' ایک شجرِ پُرثمر ہے جو اُن کی اساسِ فکر سے بھرپور ہے۔ ایسے فکری موضوع پر کچھ لکھنے کے لیے ہمہ گیر مشاہدے اور ہمہ جہت مطالعے کی ضرورت ہوتی ہے اور مصنفہ اِس وصفِ خاص کی حامل ہیں۔ اُن کا اندازِ بیان نہایت سادہ اور دل میں اتر جانے والا ہے۔ اِس کتاب میں ایسا تسلسل ہے جو موضوعاتی نہیں بلکہ کیفیاتی ہے۔ کتاب کا کردار ایک لڑکی ہے جو مختلف کیفیات سے مختلف ادوار میں گزرتی ہے اور پڑھنے والا مطالعے میں اِس طرح کھو جاتا ہے کہ خود کو فکر و شعور کی نئی دنیا میں پاتا ہے اور ''پہچان'' کے کردار کی طرح اُس کو بھی وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کی واضح نشانیاں مل جاتی ہیں۔

Marfat.com

ہم سب جانتے ہیں کہ صحیح راستے کی تلاش انسان کو ہمیشہ بے تاب رکھتی ہے۔ اِس کاوش میں لوگ یا تو صحیح راستہ پا لیتے ہیں یا پھر عمر بھر بھٹکتے رہتے ہیں اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ''پہچان'' کے کردار سے ایسا لگتا ہے کہ یہ مصنفہ کی آپ بیتی ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ لفظِ 'مَیں' مصنفہ نہیں بلکہ ایک کردار کا آئینہ دار ہے جس میں ہر شخص اپنا پرتَو دیکھ سکتا ہے کہ وہ کیا ہے اُس کا وجود کیوں ہے، اُس کا معبود کون ہے۔ اِس ضمن میں وہ زندگی کے پُراسرار چہرے کی نقاب کشائی کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''کسی دن کے کسی لمحے میں میرے بکھرے وجود کو تشکیل دے دی گئی ...... اور یوں ...... میں خراماں خراماں جنین کی شکل میں رحمِ مادر میں جا پہنچی''۔

یہاں اِس خوب صورت اندازِ بیان نے مجھے چونکا دیا۔ اُنھوں نے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مصداق ایک ہی جملے میں انسانی تشکیل کے پہلے مرحلے کے عمل کو سمیٹ لیا ہے۔ یہاں بکھرے وجود سے مراد ماں اور باپ میں موجود وہ بنیادی خلیے ہیں جن کے یک جا ہونے پر ایک نیا خلیہ وجود میں آتا ہے اور یہ نیا خلیہ (ZYGOTE) ایک ٹیوب سے ہوتا ہوا رحمِ مادر سے منسلک ہو جاتا ہے۔ اِس عمل میں دو سے تین دن لگتے ہیں جسے مصنفہ نے خراماں خراماں سے تشبیہ دی ہے۔ پھر یہ نیا خلیہ اپنی ضروریاتِ زندگی ماں سے حاصل کر کے بڑھتے بڑھتے انسانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس حیرت انگیز طریقے سے انسانی وجود کی نمود و افزایش پر پڑھنے والے کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور وہ

Marfat.com

بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ واقعی مالکِ حقیقی کے علاوہ یہ طاقت اور کسی میں نہیں ہو سکتی۔ مصنفہ کے اندازِ بیان اور اُن کے منفرد طرزِ تحریر کی یہی خوبی ہے۔

اِس کتاب میں جن جن نبیوں اور رسولوں کی مثالیں دی گئی ہیں ، وہ مستند ہیں اور اُن سے منسوب جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی مستند ہیں۔ مثلاً ریگستانی علاقے میں حضرتِ نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم ، بُڑھاپے میں حضرتِ زکریاؑ کے یہاں اولاد کا ہونا ، حضرتِ عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ، حضرتِ موسیٰؑ کا فرعون کے یہاں پرورش پانا، عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا۔ مصنفہ نے گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مصدقہ تاریخی واقعات اور مذہبی پیشواؤں کے کردار و شخصیت کے حوالے سے بڑے ٹھوس ثبوت قلم بند کیے ہیں۔

کتاب کے مطالعے سے ہمیں ایسے سوالوں کا جواب ملتا ہے کہ کائنات میں موجود ہر چیز خودمختار ہے یا کسی کی ماتحت ،کسی طاقت کے سامنے جواب دہ ہے یا آزاد ، کسی حقیقی معبود کی عبادت کرتی ہے یا غیر حقیقی معبود کی۔ مصنفہ نے دل میں اتر جانے والی مثالیں دے کر باور کرایا ہے کہ کائنات کی ہر چیز ، ہر ذرہ صرف اور صرف ایک صاحبِ امر ہستی کے زیرِ اثر ہے۔

ایک جگہ وہ لکھتی ہیں:

”کیا میرے کمرے کی سیمنٹ سے بنی دیوار میں کنکریاں نہیں؟ کیا اِن کنکریوں میں ایٹم کے ذرے نہیں؟ کیا اِن ایٹموں

Marfat.com

میں الیکٹران نہیں جو اپنے مرکز کے گرد اپنے مخصوص ORBITS میں گھوم رہے ہیں؟ اور کیا ایٹم کا مرکز اپنی جگہ پر قائم نہیں؟ اگر یہ سب ہے تو یقیناً اُس ایٹم کا تعلق اپنے رب کے ساتھ ابھی تک برقرار ہے اور وہ اپنے خالق کے حکم کا پابند ہے''۔

اِسی طرح دو بھڑکیلی گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن سے پانی بننا اور اُس پانی کی زندگی میں اہمیت اور اِس طرح کی بہت سی مثالیں دے کر مصنفہ نے قارئین کے فکر و شعور کو جھنجوڑا ہے۔

مصنفہ نے اپنی کتاب 'پہچان' کے ذریعے وحدہٗ لاشریک 'الواحد' کی عام فہم تشریح کر کے ہر خاص و عام کو ہدایاتِ ربانی سے براہِ راست فیض یاب ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں اللہ کی تشریح و توضیح اِس قدر مدلل اور خوب صورت پیرایے میں کی گئی ہے کہ ہر سطر پر علم و شعور اور فکر و دانش کے زمزمے بہتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا ادراک دینے کے لیے مصنفہ نے دنیا میں موجود بے شمار شواہد کا ذکر نہایت خوب صورتی سے کیا ہے۔ مثلاً: کائنات کے رنگ، تاروں بھرا آسمان، برف کے ذروں کا بوسے لینا، سورج، چاند، درخت، سمندر، پہاڑ، نیاگرا فال سے پانی کا نیچے کی طرف گرنا، کائنات کا نظم و ضبط، شب و روز کی آمد و رفت، انسان کے اعضا کی ساخت انسان کی پیدائش، موت و حیات کے اسرار وغیرہ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مصنفہ نے ہر اُس شخص کو جو دیکھنے والی آنکھ اور سوچنے والا دماغ رکھتا ہے، دعوت دی ہے کہ وہ کائنات کے حقائق کو دیکھے اور سوچے کہ کائنات کے یہ رنگ کیا خود بخود وجود میں آ سکتے ہیں اور قائم رہ سکتے

Marfat.com

ہیں اگر اِن کا ایک خالق اور رب نہ ہو۔ ہو سکتا ہے اِن سوالوں کا ایک واضح یا غیرواضح جواب ہر شخص ، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو اپنے ذہن میں ضرور رکھتا ہوگا ، لیکن ''پہچان'' سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ واقعی اگر اللہ تعالیٰ اِس نظام کو اِتنے منظّم طریقے سے چلا رہا ہے تو کوئی اور غیر اللہ اپنی برتری منوانے کے لیے اِس نظام کو الٹ کیوں نہیں دیتا۔ اِن مثالوں سے ''پہچان'' نے ثابت کیا ہے کہ جس طرح عالم کے بغیر علم اور حکیم کے بغیر حکمت نہیں ہوسکتی تو خالق کے بغیر خلق کا تصور کیسے آ سکتا ہے۔

مصنفہ نے ایک جگہ جزا اور سزا کا ذکر بھی بڑے اچھے پیرایے میں کیا ہے کہ ہر ذی روح جو خالق کی نافرمانی کرتا ہے اور ابلیس کا پیروکار بنتا ہے ، وہ پیشانی سے گھسیٹا جائے گا۔ یہاں بھی مصنفہ نے کمالِ فہم سے مختصر اور جامع انداز میں بات کی ہے۔ واضح رہے کہ مصنفہ کا تعلق طبی درس و تدریس سے رہ چکا ہے۔ اُن کو معلوم ہے کہ دماغ کا وہ حصہ جو پیشانی میں ہوتا ہے ، اُس میں سوچنے سمجھنے اور اپنے اختیارات کو بروئے کار لانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اِس حصے کو کام میں لاتے ہوئے ہم اچھی اور بری چیز میں تمیز کر سکتے ہیں۔ دماغ کا یہ حصہ طب کی اصطلاح میں INTELLIGENCE CENTRE کہلاتا ہے۔ اگر کوئی غلط کام کرے گا تو سزا کے لیے بازپُرس بھی یقیناً پہلے اِسی حصے سے ہونی چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیا ہے۔

اِس کتاب کے مطالعے سے انسان اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق سے آگاہ ہوتا ہے ، یقینِ محکم کی دولت سمیٹتا ہے اور سوچتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ ہی اِس کائنات کا تنہا خالق و مالک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

Marfat.com

اِس کتاب میں عام فہم انداز میں وحدانیت کی فکری بنیادیں پیش کی گئی ہیں جن سے ہر شخص اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے۔ میں دعاگو ہوں کہ اِس کتاب میں جو کچھ ہے، وہ لوگوں کے دلوں میں اتر جائے۔

میں قارئین سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ ''پہچان'' کو افراتفری میں نہ پڑھیں بلکہ پُرسکون ماحول میں پڑھیں، کیونکہ اِس کی ہر سطر فکرانگیز ہے اِس کتاب کو پڑھتے ہوئے اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کیجیے۔ جب آپ اِس کوشش میں کامیاب ہو جائیں تو پھر اپنی شعور کی آنکھ بند نہ کیجیے۔

مصنفہ اپنی اِس بے حد عمدہ اور جامع تخلیقی کاوش پر خصوصی طور پر مبارک باد کی مستحق ٹھہرتی ہیں۔

Marfat.com

کوثر اختر کاظمی

محرکِ اول

اِس کتاب کی تحریک پیدا کرنے والے میرے میاں ہیں۔ جب ایک دن اُنھوں نے مجھ سے کہا، ''کچھ لکھو'' تو میں نے الٹا اُنھیں سے سوال کر ڈالا کہ کیا لکھوں۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے، ''اللہ کے بارے میں لکھو'' تو میں نے سوچا کہ کیا ہی اچھا موضوع ہے جس کا انتخاب کرنے میں اُنھوں نے میری مدد کی اور یہ کہ اللہ کے بارے میں واقعی صرف 'کچھ' ہی لکھا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ تو ایسی ذات ہے کہ خود اُس کا فرمان ہے کہ اگر تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی اور پھر اِتنا ہی اور لے آئیں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ اللہ ہی کی ذات ہے جو کائنات پر اپنی رحمت کے ساتھ محیط ہے، اور بچپن سے آج تک اُس کی رحمت کو میں اپنی ذات پر محیط پاتی ہوں اور ہر دم ہر گھڑی اُس کی نظروں کے حصار میں ہوں۔ اللہ واحد ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

Marfat.com

میں اپنے بچپن ہی سے سوچتی رہی ہوں کہ کس کس طرح اللہ وحدہٗ لاشریک کی رحمت مجھ پر برستی رہی اور آج تک رحمت کی یہ بارش جاری ہے۔ بچپن میں گرمی کی راتوں میں بڑے سے صحن میں بچھی چارپائی پر میرے ابا جان مجھے اکثر اپنے ساتھ لٹا لیتے۔ وہ آسمان اور چاند ستاروں کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ یہ سب اللہ نے بنایا ہے، اللہ جو اکیلا ہے۔ پھر کہتے اچھا ستاروں کو گنو۔ اور میں جو اُس وقت چھوٹی سی بچی تھی، جسے زیادہ گنتی نہ آتی تھی، اس لیے ستارے گننے سے رہ جاتے تھے۔ اِس کی شکایت جب میں اپنے ابا جان سے کرتی تو وہ کہتے کہ ستارے تو میں بھی نہیں گن سکتا اور کوئی بھی نہیں گن سکتا، اس لیے کہ تمام ستارے اور تمام دوسری چیزیں اللہ نے بنائی ہیں اور وہی جانتا ہے کہ کتنی ہیں۔ پھر ابا جان کہتے کہ تمھیں بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اور مجھے بھی، اور میں تعجب سے سوچ کر رہ جاتی کہ چلو میں تو چھوٹی سی ہوں لیکن ابا جان تو اِتنے بڑے ہیں اور آسمان بھی کتنا بڑا ہے۔ مجھے چونکہ بچپن ہی سے زیادہ سوال کرنے کے بجائے زیادہ سوچنے کی عادت تھی، اس لیے صرف سوچ کر ہی رہ جاتی پھر ابا جان بتاتے کہ اللہ بالکل تنہا ہے، وہ اکیلے ہی سب کام کرتا ہے اور بہت بڑا ہے۔ گو اللہ کی بڑائی کا تصور اُس وقت میرے ذہن میں نہیں آسکتا تھا، پھر بھی جیسے ہوتا میں مان لیا کرتی تھی۔

ایک دن تاروں سے جگمگاتی رات میں ابا جان نے مجھے تارے گننے میں مشغول کر دیا اور میں بڑے زور و شور سے اپنی چھوٹی سی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتی اور کہتی جاتی، ”یہ ایک تارا ہے اور اِسے اللہ نے

Marfat.com

اکیلے ہی بنایا ہے اور یہ دوسرا تارا ہے ، اِسے بھی اللہ نے اکیلے ہی بنایا ہے''۔ اور تارے گنتے گنتے میں سوگئی۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو میری گود میں ایک ننھا منا گل گوتھنا سا بھائی ڈال دیا گیا اور مجھے بتایا گیا کہ اِسے اللہ نے بھیجا ہے ، پھر اِس ننھے کھلونے کو میں جی جان سے چاہنے لگی۔ جب یہ سوتا جاگتا یا مسکراتا تو میں ہر دم اِس کے آس پاس ہی رہتی۔ جب اُس کے پاؤں لگے تو کبھی کبھی سب کی نظر بچا کر وہ باہر کی طرف نکل جاتا تو میرا دل جیسے مٹھی میں آ جاتا گھر والے اُسے اِدھر اُدھر ڈھونڈتے اور میں سونے کی تیاری میں لگ جاتی چاہے نیند کا وقت ہو یا نہ ہو ، میرا اِس بات پر پختہ یقین ہوتا کہ جیسے ہی میں سو جاؤں گی منا مل جائے گا ، کیونکہ پہلی دفعہ بھی یہ مجھے سونے پر ہی ملا تھا اور اللہ واحد ، جو ہر ایک کی توقعات پوری کرتا ہے ، بھلا ایک معصوم سی ننھی بچی کے بھروسے کو توڑ سکتا تھا؟ اور ہر دفعہ ایسا ہی ہوا کہ میرے جاگنے پر وہ گھر میں موجود ہوتا اور میں خوشی سے کھل اُٹھتی اور یہی ننھا بھائی ، جو اب ایک تناور درخت کے مانند ہے ، جب میری زندگی کے کٹھن لمحات میں اپنی بانہیں پھیلا کر کہے کہ ''میں ہوں نا!'' تو میں اللہ کے آگے سجدے میں کیوں نہ گروں؟

بچپن میں ٹرینوں کے سفر کے دوران اپنی اپنی کھڑکیوں سے منہ لگائے میں اور مجھ سے کچھ بڑے میرے بھیا دنیا جہان کی باتیں کرتے رہتے ، اور جہاں کہیں راستے میں ریل کی پٹریوں کی میلوں تک کھدی زمین نظر آتی تو ہم تیز چلتی ٹرین سے اُس کھدے ہوئے حصے کو دیکھ دیکھ کر کہتے کہ شاید اللہ میاں اِتنے بڑے ہیں ، لیکن جب وہ کھدا ہوا علاقہ ختم ہو جاتا اور ہموار

Marfat.com

زمین شروع ہو جاتی تو ہم آپس میں کہتے کہ یہ ختم ہو گیا لیکن اللہ میاں تو اِس سے کہیں بڑے ہیں۔ پھر دوبارہ جب کھدائی والا علاقہ شروع ہوتا تو ہمارا مشاہدہ بھی دوبارہ شروع ہو جاتا اور ہم پھر سے اللہ کی بڑائی کے بارے میں رائے زنی کرنے لگتے اور اِس طرح بچپنے کی معصومیت میں ہم اللہ کی بڑائی جانچتے رہتے اور ہر دفعہ ناکام ہو جاتے، کیونکہ بڑائی کا جو تصور ہمارے ابا جان نے ہمارے ذہنوں میں بٹھا دیا تھا، اُس پر دنیا کی کوئی چیز بھی پوری نہ اترتی تھی۔

یہی میرے بھیا، میرے دوست، میرے ہم خیال جنھیں بچپن ہی سے مجھ سے متعلق میری ایک ایک چیز کا خیال رہتا اور اکثر بلکہ زیادہ تر ایسا ہوتا کہ مجھے اپنی سالگرہ کا دن یاد نہ رہتا تو یہ بھیا ہی ہوتے جو مجھے چپکے سے بتاتے، ''آج تمھاری سالگرہ ہے، ابا جان کو آفس سے واپسی پر کیک کے لیے یاد دلا دینا''۔ اور یہی میرے بھیا میرے ساتھ ساتھ اب میرے بچوں کی سالگرہ کا دن بھی یاد رکھنے لگے ہیں۔ ایسا بھائی تو اللہ کی عطا ہوتا ہے لہٰذا شکر بھی اُسی اللہ کا ہوا۔

میرے بھائی میاں گرمیوں کی دوپہروں میں، جب گھر کے بزرگ دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کرنے اپنے کمروں میں چلے جاتے، وہ ہمیں گھر کے برآمدوں میں لے جا کر ہمارے ساتھ مختلف کھیلوں میں مشغول ہو جاتے اور اکثر ہم آپس میں بسم اللہ کے قرآن کا مقابلہ کرتے چونکہ ہم میں سے اُس وقت کسی کا بھی قرآن ختم نہ ہوا تھا، اس لیے ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی ہر ہر سطر پر انگلی پھیر کر پڑھتے رہتے اور تھوڑی

Marfat.com

تھوڑی دیر بعد ایک دوسرے کی انگلیاں دیکھتے۔ جس کی انگلی زیادہ سرمئی ہوگئی ہوتی ، اِس کا مطلب یہ ہوتا کہ اُس نے زیادہ سپاروں پر انگلی پھیر کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا ہے۔ کبھی کبھی بھائی میاں ہمیں غسل خانے میں لے جاتے اور شاور (SHOWER) کو دھیرے سے کھول دیتے اور ہم سے کہتے کہ دیواروں کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ اور ہلکے ہلکے ہلتے رہو اور سوچو کہ ہم پانی کے جہاز سے حج کرنے جا رہے ہیں۔ یوں وہ اور ہم اپنے اپنے خیالات میں حج کے سفر پر روانہ ہو جاتے اور شاور کی ہلکی ہلکی پھوار ہمارے جسموں پر گرتی رہتی۔ بچپن میں کھیلے گئے اِس معصوم کھیل کو میرے بھائی میاں نے حقیقت کا روپ بھی دیا جب اُنھوں نے مجھے اور میرے بچوں کو عمرے کے مقدس سفر پر بلایا فرق صرف اِتنا تھا کہ اب جہاز پانی کا نہیں تھا بلکہ ہوا میں اُڑ رہا تھا۔

میرے شفیق اور باوقار بھائی صاحب جن کا چہرہ مجھے خوش دیکھ کر کھل اُٹھتا ہے اور جب میں آبلہ پا ہوتی ہوں تو شفقت کے مرہم سے میرے زخموں کو بھرتے ہیں ...... میرے بھائی جان گو وہ آج ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن اُن کی یادیں اور باتیں شگفتہ پھول کی طرح دل میں تر و تازہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔

اپنی بڑی بہنوں کا ذکر بھی بے حد ضروری ہے جنھوں نے بچپن ہی سے میرے لیے نت نئے نئے نمونوں کے کپڑے سیے سردیوں میں سوئیٹرز بُن کے پہنائے ، مجھے گھمایا پھرایا اور میری پڑھائی میں مدد کی۔

Marfat.com

میری امی جو ہمیں بڑی سے بڑی چوٹ لگنے پر بھی یہی کہتیں ''اللہ کا کرم ہے کہ اُس نے بچا لیا''...... اور مَیں جو شدید تکلیف میں ہوتی تو یہ سوچ کر رہ جاتی کہ مجھے تو بہت تکلیف ہے، شاید امی کو اندازہ نہیں ہو رہا ہے۔ امی دوا پلاتے ہوئے ہمیشہ کہتیں ''اللہ شافی، اللہ کافی''۔ جب میں اِس کا مطلب پوچھتی تو وہ کہتیں کہ شفا اللہ دیتا ہے اور میرے کچے ذہن میں یہ سوال ابھرتا کہ پھر دوا کا کیا فائدہ ہے، لیکن یہ سوال کبھی زبان پر نہیں آیا۔ ہاں! بڑے ہو کر مطلب خود بخود سمجھ میں آ گیا کہ بیماری کا علاج تو کرنا ہے مگر اِس یقین کے ساتھ کہ شفا بھی اللہ ہی نے اِس دوا میں رکھی ہے۔ ہم بہن بھائیوں یا کسی نوکر سے کوئی نقصان ہو جانے پر اُن کا غصہ بس اِنھی الفاظ تک محدود ہوتا ''ارے! تمھارا برا نہ ہو''۔ یہ وہ الفاظ تھے جو کانوں نے بارہا سنے تھے، لیکن اِن کا ادراک اُس وقت ہوا جب اپنے کسی بچے سے کوئی نقصان ہو جانے پر میرے منہ سے بھی بے اختیار یہی الفاظ نکلے ...... اور جیسے ہی میری زبان سے یہ الفاظ نکلے تو ذہن کے گوشے میں محفوظ اِس جملے کا مطلب بھی خود بخود سمجھ میں آ گیا کہ کسی کو کسی حال میں بھی بدعا نہیں دینی چاہیے، کسی کا برا نہیں چاہنا چاہیے اور بڑی سے بڑی چوٹ لگنے پر بھی اللہ کا شکر ہی ادا کرنا چاہیے کہ بہت بڑی پریشانی یا حادثے سے بچ گئے۔

یہ وہ خاندان تھا جو اللہ نے میرے لیے چنا تھا اور اِن رشتوں کے ساتھ مجھے جوڑ دیا تھا اور یوں بچپن ہی سے، جو نادانی اور ناسمجھی کی عمر ہوتی ہے، میری تربیت ہوتی رہی ...... وہ چاہے راتوں کو اللہ کی وحدانیت اور بڑائی کے بارے میں میرے اباجان کی کاوشوں کی شکل میں ہو یا میرے

بھائی میاں کے معصوم کھیلوں میں شامل اللہ کی یاد کی شکل میں ...... چاہے میری امی کے اللہ کے شکر کے لیے کہے گئے الفاظ کی شکل میں۔

اپنے اِن خونی رشتوں کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ سوچیں کہ ہمارا ہر رشتہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور ہمیں اِس نعمت کی قدر کرنا چاہیے۔ کبھی کبھار اِن رشتوں سے پیدا ہو جانے والی ناگواری پر درگزر اور تحمل سے کام لینے کی ضرورت ہے نہ کہ فوری طور پر قطعِ تعلق کر لینے کی ، جیسا کہ آج کل عام ہے کہ کسی رشتہ دار کے رویے میں تھوڑی سی تلخی آئی تو فوراً تعلقات خراب کر لیے جاتے ہیں۔ آج کل زیادہ تر لوگ رشتہ داروں سے دور اور غیروں سے قریب ہوتے جا رہے ہیں ، اِس کی وجہ یہ ہے کہ رشتہ دار کی کوئی تلخ بات برداشت نہیں ہوتی اور غیر کے ساتھ تمام تر تلخیوں کے باوجود بھی تعلقات بحال رکھنا گوارا کر لیا جاتا ہے۔ مان لیا کہ رشتہ دار ہی حسد کرتے ہیں ، لیکن اگر آپ پہل کریں اور اُن کے حسد کے جواب میں اپنا رویہ خوش دلی کا رکھیں ، اُن کی خوشیوں میں خوش ہوں ، مشکل وقت میں اُن کا ساتھ دیں ، اُن کے طعن و تشنیع پر صبر و تحمل سے کام لیں تو آپ کے اِس طرزِ عمل سے اُن کے رویے میں بھی خوش گوار تبدیلی آئے گی اور تعلقات بہتر ہو جائیں گے۔ اِس مہم کو کامیابی سے سر کرنے کے لیے ہمیں خلوصِ نیت کے ساتھ نیکی میں پہل کرنی ہوگی اور اپنے رویے میں قابلِ قبول تبدیلی لانی ہوگی ، کیونکہ اِسی بات پر باہمی تعلقات کی خوش گواری کا انحصار ہے۔ اللہ بھی رشتوں کو جوڑنے اور مستحکم رکھنے کی ہدایت کرتا ہے اُنھیں توڑنے یا کمزور کرنے کی نہیں۔ اگر کوئی ایسے قریبی رشتوں اور محبت کی فضا سے محروم ہے تو اُسے کسی احساسِ کم تری کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں

Marfat.com

کیونکہ اللہ نے اُسے بھی ضرور ایسی نعمتوں سے نوازا ہے جو صرف اُس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں اور دوسرے لوگ اُس مخصوص نعمت سے محروم ہیں لہٰذا اُسے اُن نعمتوں کی قدر کرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

جب میرے میاں نے مجھ سے کہا کہ اللہ کے بارے میں کچھ لکھو تو مجھے یاد آ گیا کہ بچپن ہی سے جس تربیتی ماحول سے میں گزرتی رہی تھی، اس نے میری زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہے۔ مجھے اپنے بہت سارے رشتے یاد آنے لگے، وہ نعمتیں یاد آنے لگیں جو اللہ نے مجھے عطا کی تھیں، اللہ کی وہ مدد یاد آنے لگی جو ہر ہر موقع پر وہ میری کرتا رہا ہے۔ اِنھی واقعات اور تاثرات نے مجھے اِس کتاب کو لکھنے پر آمادہ کر دیا جو دراصل اللہ کے حضور ایک شکرانہ ہے اُس کی ہر نعمت پر ...... چاہے وہ نعمت زمین و آسمان کی شکل میں ہو ...... چاہے ہوا، پانی، چاند، سورج کی شکل میں یا کسی بھی ایسی شکل میں جو صرف میرے لیے مخصوص ہو۔

کتاب کے آغاز سے قبل اور درمیان میں کہیں کہیں میں نے اپنے اباجان کا کچھ کلام شامل کیا ہے جو کتاب کے موضوع سے مطابقت رکھتا ہے۔ امید ہے قارئین اُس سے مستفید ہوں گے۔ اللہ میری اِس کاوش کو قبول فرمائے!

هدیۂ تشکر:

○ اپنے بیٹے سید عمر کاظمی کے لیے دعاگو ہوں جنھوں نے بے حد مفید مشوروں سے نوازا اور بیٹی سحر کاظمی کے لیے بھی دعا کا کشکول لیے کھڑی ہوں جنھوں نے گہری نظر سے کتاب کا مسودہ پڑھا۔

Marfat.com

○ اپنے بہترین استاد پروفیسر ہاشم جلالی صاحب کی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے ایک شفیق استاد کا فرض نبھاتے ہوئے اپنی شدید علالت کے باوجود مسودے کو پڑھا اور اپنی موقر رائے سے بھی نوازا۔

○ سندھ میڈیکل کالج کی اسسٹنٹ پروفیسر حسن بانو صاحبہ کی متشکر ہوں جنھوں نے اپنی بے پناہ درسی و فلاحی مصروفیات کے باوجود مسودے کو کئی بار توجہ سے پڑھا اور اپنے خصوصی تعاون سے نوازا۔

○ انسٹیٹیوٹ آف اسلامک پریزنٹیشن کومیلی کویت میں درس و تدریس سے وابستہ آصفہ احمدی صاحبہ بھی خصوصی طور پر شکریے کی مستحق ہیں جنھوں نے مسودے کو انتہائی تنقیدی نگاہ سے دیکھا اور اِس کی تدوین میں معاونت کی۔

○ دیگر احباب جنھوں نے کتاب کے سلسلے میں مجھ سے کسی نہ طرح تعاون کیا اور میری حوصلہ افزائی کی، اُن میں ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ سنٹر کویت کے کمپیوٹر پروگرامر محترم قسیم اختر، پروفیسر اطہر علی خاں ماہرِ تعلیم، ''یقین انٹرنیشنل'' کراچی کے مدیرِ اعلیٰ پروفیسر ڈاکٹر محمد عادل صاحب، عبداللہ سائنس کالج کی پروفیسر نرگس فاطمہ جعفری، گلستان اسکول کی وائس پرنسپل (ر) محترمہ شاہدہ گل ریزہ خاں، فوجی فاؤنڈیشن میں درس و تدریس سے وابستہ محترمہ طاہرہ حسن اور محترمہ شمع رحمانی اختر (ایم۔ اے اردو ایم۔ اے ہسٹری، بی۔ ایڈ علی گڑھ یونیورسٹی، انڈیا) کے نام شامل ہیں۔

اپنی بھتیجیوں عافیہ اور بسمہ کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنھوں نے انتہائی محنت اور دلچسپی سے کتاب کے سرورق کی میرے خیال اور موضوع سے ہم آہنگ مصوری کی۔ میں اُن دونوں کے روشن مستقبل کے لیے دعاگو ہوں۔

Marfat.com

اُن خواتین و حضرات سے طالبِ معذرت ہوں جن کا حافظے کی کوتاہی کی وجہ سے نام بنام شکریہ ادا نہ کر سکی۔
نقش پبلیکیشنز کے منتظمِ اعلیٰ جناب اکبر خان کیانی کی بھی سپاس گزار ہوں کہ اُنھوں نے مسودے کی کتابت و تصحیح کے مرحلے میں اپنے پُرخلوص تعاون اور مفید مشوروں سے نوازا ، نیز کتاب کو ادارے کے روایتی معیار کے مطابق زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔

Marfat.com

ستاروں کی روشن فضا دیکھتا ہوں
کہ گل منتشر جا بجا دیکھتا ہوں

طلائی شفق کو ، گلِ گلستاں کو
ترے رنگ و بو میں بسا دیکھتا ہوں

خیالوں کی خاموش سی وادیوں میں
محبت کا عالم رچا دیکھتا ہوں

Marfat.com

ہوئی دل کے تاروں میں جھنکار پیدا
عنادل کو نغمہ سرا دیکھتا ہوں

خرد سے کھلے رازِ سربستہ ، لیکن
رہا رازِ ہستی چھپا دیکھتا ہوں

عجب لالہ زارِ افق کی کشش ہے
کہ ارض و سما کو ملا دیکھتا ہوں

نسیمِ سحر ہے کہ مستانہ جلوے
رنگوں کو دل میں بھرا دیکھتا ہوں

مہکتے نظاروں میں موجِ ہوا کے
طلسماتِ صبح و مسا دیکھتا ہوں

اٹھا ابرِ نیساں ، برستی ہے رحمت
دہانِ صدف کو کھلا دیکھتا ہوں

عروسِ شبستاں کی بزمِ طرب کو
ستاروں سے ہر سُو سجا دیکھتا ہوں

جو غافل ہوا راہِ بانگِ درا سے
اُسے راہ سے بھولا ہوا دیکھتا ہوں

فلک ہو کہ سورج ، قمر ہو کہ اخترؔ
تجھے سب میں جلوہ نما دیکھتا ہوں

(رضی اخترؔ)

Marfat.com

۱

کچھ ہی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھی۔ میرا وجود کائنات میں مختلف عناصر کی شکل میں بکھرا پڑا تھا کہ اکتوبر کے کسی دن کے کسی لمحے میں میرے بکھرے وجود کو تشکیل دے دی گئی ...... اور یوں ...... میں خراماں خراماں جنین کی شکل میں رحمِ مادر میں جا پہنچی۔ رحمِ مادر ...... میری پناہ گاہ ...... جہاں میری پرورش اور غذا کا انتہائی مناسب انتظام تھا۔ اِس پناہ گاہ میں جامع انتظام کے سایے تلے میں پلتی رہی ، بڑھتی رہی ، یہاں تک کہ جولائی کے کسی دن کے جھٹپٹے کے وقت میں نے دنیا میں آنکھ کھولی لیکن کس طرح؟...... اِتنی بے بس کہ مکھی میرے اوپر بیٹھ جائے تو میں اُسے اُڑا نہ سکوں اور بلی مجھے گوشت کا تر نوالہ سمجھ کر نوچ لے جائے تو میں اپنا بچاؤ بھی نہ کرسکوں۔ ایسے میں وہ عورت جو میرے وجود کے لیے ضروری

Marfat.com

سمجھی گئی تھی ، اُسی کے دل میں میرے لیے محبت ڈال کر اُسے میری 'ماں' کا نام دے دیا گیا اور یوں میں اُس کی آغوش میں ڈال دی گئی۔

سال ...... دو سال ...... کئی سال ...... زندگی کے کتنے نشیب و فراز سے میں گزری۔ کبھی بارہا خوشیوں نے میرے دروازے پر دستک دی ، کبھی غموں سے چور زندگی کے دن میں نے گزارے کبھی حیرانیوں میں پلی ، کبھی پریشانیوں میں گھری۔ زندگی کے انھی ادلتے بدلتے موسموں سے گزرتی گزرتی میں آج دو جوان بچوں کی اَدھیڑ عمر ماں ہوں۔

ابھی کچھ ہی عرصے سے زندگی کے ہنگاموں سے فرصت کے اِن چار دنوں میں گرمی کی اِس رات میں میَں اپنے آنگن میں بچھی چارپائی پر خوش گوار ہوا کے سایے میں لیٹی ہوں تو سوچ رہی ہوں کہ وہ کون ہے کہ جس نے مجھے ایک خوردبینی جنین کی حالت سے احسنِ تقویم تک پہنچایا ، کس نے ماں کے پیٹ کے دبیز اندھیروں میں مجھے پالا پوسا ، کس نے مجھے شکمِ مادر کی جڑوں سے چمٹایا اور وہیں مجھے انگوٹھا چوسنے کی مشق کرائی تاکہ پیدا ہونے کے بعد ماں کا دودھ ، جو خالصتاً میرے لیے پیدا کیا گیا تھا ، پی سکوں اور پی کر نہ صرف توانا ہوسکوں بلکہ جو مجھے مختلف بیماریوں سے بھی بچا سکے۔ وہ کون ہے کہ جس نے میری زندگی کے انگنت لمحوں میں اپنی پناہ کا مجھے احساس دلایا اور جو میری زندگی کا مکمل احاطہ کیے ہوئے ہے؟ ایسے ہی نہ جانے کتنے سوالات ہیں جو میرے ذہن کے مختلف گوشوں میں ابھر رہے ہیں اور اِسی سوچ اور اِنھی سوالات کے جواب میں مجھے صرف ایک ہی ہستی فعال نظر آرہی ہے اور وہ ہستی کسی اور کی نہیں ، صرف 'الواحد' کی ذات ہے

Marfat.com

......الواحد جو اپنے ہر فعل میں بے مثال اور یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی ذات و صفات میں اُس کا ہمسر ہے۔

پالنے والا ترس کھانے والا ہے ، ایسا ترس کھانے والا جو ہر ایک پر بلاامتیاز رحم کرتا ہے اور اُس کی تمام صفات اسمِ 'اللہ' میں منور ہیں۔ میں جنین کی شکل میں ہوں یا اِس سے پہلے کی کسی حالت میں ، اُس کا رحم مسلسل جاری ہے۔ وہ کائنات کے تمام موجودات کا خالق و مالک ہے ، وہ ربِ کائنات ہے ، تقدیر کے فیصلے کا حق صرف اور صرف اُسی کی ذات سے وابستہ ہے۔

اور ...... یہ خوش گوار ہوا ...... جو میرے جسم کو چھو رہی ہے ، اپنی مستی و سرشاری میں مجھ سے کہہ رہی کہ ذرا شعور کی آنکھ تو کھولو ......ذرا اپنی نگاہ تو میری طرف کرو ...... میں فرحت بخش ہوا کس کے گیت گا رہی ہوں ......کون ہے جو میری روح میں سمایا ہوا ہے ...... مجھے حکم ہے کہ میں تمھیں اپنی آغوش میں بھر کر تمھارے اندر کی ساری تھکن اتار دوں تمھیں نیند کے ہلکورے دوں ...... لیکن آؤ! ......تھوڑی دیر ......بس تھوڑی دیر ......اُس کے گُن گا لیں جس نے تمھیں اور مجھے پیدا کیا ہے۔ ''غور سے سنو! میں اُسی الواحد کے گیت گا رہی ہوں تو تم کیوں اُس کے گیت نہیں گا رہیں؟ کیوں اُس کی شان میں رطب اللسان نہیں ہو رہی ہو جو تم سے بے حد محبت کرتا ہے؟...... اور اُسی نے جب سے مجھے پیدا کیا ہے ، میرے اندر عناصر کی ترکیب کو نہ کم کر رہا ہے اور نہ بڑھا رہا ہے ......اُسی کے حکم سے میں تمھارے لیے خیر کا باعث ہوں''۔ اور میں سوچ رہی ہوں کہ جو کچھ یہ ہوا کہہ رہی ہے ، حق ہی

Marfat.com

ہے۔ ہوا کہ جس میں اور دوسری گیسوں کے علاوہ اکیس فی صد آکسیجن بھی ہے جو زندگی کو قائم رکھنے کے لیے ایک اہم عنصر ہے۔ ہوا میں آکسیجن کا یہ تناسب کس قدر مناسب ہے! کیونکہ اِس کی مقدار اگر ذرا بھی کم ہوتی تو میرا سانس بند ہونے لگتا اور میرے ساتھ دوسری زمینی مخلوق کے وجود بھی خطرے میں پڑ جاتے اور اگر اِس کی مقدار ذرا بھی بڑھ جاتی تو اِس عمل سے چٹانیں اور دھاتیں جلد ہی تباہ ہوجاتیں ، زمین پر کٹاؤ پیدا ہو جاتے اور یہ ٹکڑوں میں بکھر جاتی ...... آکسیجن ...... کہ جب اِس کے دو ایٹم ملیں تو زندگی کے وجود کی نشانی اور دو سے تین ہو جانے پر اوزون کی شکل میں سورج کی مہلک شعاعوں سے بچانے والی ہوا کی شکل میں مجھے بتا رہی ہے کہ اللہ 'الواحد' کس قدر منظّم ہے اور اِس کائنات میں پھیلی اُس کی ہر مخلوق کا ایک خاص مرتب نظام ہے ، اور اگر کسی دوسرے معبود کا وجود ہے تو وہ اُس کے عناصر میں رد و بدل کیوں نہیں کر دیتا؟ کچھ تو وہ بھی اپنی مرضی چلاتا! ایسی صورت میں کیا میری زندگی کے لالے نہ پڑ جاتے؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ اکیلا ہی غیرمحدود اختیارات کا مالک ہے اور اُس کی خدائی میں کسی کو مداخلت کا یارا نہیں۔

ہاں! تو یہ صحن ...... اور اِس میں بچھی چارپائی اور اِس پر میں لیٹی جو اِس خوش گوار ہوا کے لمس کا لطف لے رہی ہوں۔ جب آسمان کی طرف نظر اٹھاتی ہوں تو وہ ستاروں سے سجا ہوا کسی دُلھن کا سا نکھار لیے حدِ نگاہ تک نور میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا ہے اور چاند بھی ، جو اُس کے آس پاس ہی ہے اُس کے حسن کو دوبالا کر رہا ہے ...... اور میں سوچ رہی ہوں کہ یہ چاند جو

Marfat.com

کل ہلال کی شکل میں اِس بحرِ فلک پر نمودار ہوا تھا ، آج کچھ اور بڑا ہوگیا ہے اور کچھ ہی دن گزریں گے کہ یہ پورا اور بڑا ہو کر بدر کا روپ دھار لے گا اور پھر گھٹنا شروع ہوگا ، یہاں تک کہ بالکل باریک ہوکر نظروں سے اوجھل ہوجائے گا۔ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ یہ ہلال سے ایک ہی دن میں بدر کا روپ دھار لے؟ ظاہر ہے کسی طاقت کے بغیر ایسا ہونا ناممکن تھا کیونکہ ہزاروں سالوں سے اِس کا یہ عمل جاری ہے۔ یہ الواحد ہی ہے جس نے اِسے اِس اصول کے تحت اپنے حکم کا پابند بنا رکھا ہے۔ اور اگر اللہ کا کوئی دوسرا شریک بھی ہے تو وہ کیوں اِس چاند کو پہلے بدر اور پھر ہلال نہیں بنا دیتا؟ اور کیوں وہ اِسے کبھی زمین سے دور اور کبھی قریب نہیں کر دیتا؟ وہ کیوں بتوں کے مانند خاموش بیٹھا ہے؟ کیا اُسے اِس چاند پر کوئی اختیار نہیں؟ اور کیا وہ ستاروں یا دن اور رات پر کوئی اختیار رکھتا ہے؟ اور اگر اُس کا کوئی عمل دخل کائنات میں ہے تو ہزاروں سال سے جاری اِس قاعدے اور قانون کو کبھی تو بدلتا! ہمیشہ ایسا ہی کیوں ہوتا ہے کہ جب دن ڈھلنے لگتا ہے اور رات ہونے لگتی ہے تو کیوں ایک دم ہی گہرا اندھیرا نہیں چھا جاتا؟ بلکہ میں دیکھتی ہوں کہ رات دھیرے دھیرے دن میں داخل ہوتی ہے اور وقت کے کسی حصے میں گہرے اندھیرے میں ڈوب جاتی ہے اور کائنات پر ایک سکوت کی کیفیت طاری کر دیتی ہے ، پھر یہ گہرا اندھیرا بھی رفتہ رفتہ چھٹنے لگتا ہے اور رات کے اندر دن داخل ہونے لگتا ہے اور یوں بزمِ جہاں میں بادِ سحر کی شہنائی گونج اٹھتی ہے اور رات رخصت ہوجاتی ہے اِسی طرح دن کا بھی ایک نظام ہے۔ پہلے سحر بن کے انگڑائی لیتا ہے ، پھر

اشراق بن کے پھٹتا ہے اور چاشت کی شکل میں اجالے کی بھرپور چادر پھیلا دیتا ہے اور کائنات میں دوپہر گزارنے کے بعد مدھم مدھم آخری پہر میں ڈھل جاتا ہے اور اِس طرح بتدریج رخصت ہوتا جاتا ہے اور پھر رات کی دُلھن گویا اپنی سیاہ زلف میں افشاں چھڑک کر تختِ فلک پر سج کر بیٹھ جاتی ہے۔

کیا دن اور رات کی اِن اٹکھیلیوں میں ایک خدائے برحق کے سوا کسی دوسرے خدا کی گنجایش نظر آتی ہے؟

یہ آسمان جو بغیر کسی ستون کے چھت کی طرح میرے اوپر معلق ہے میں اِسے غور سے دیکھ رہیؔ ہوں۔ یہ بغیر کسی شکن اور بغیر کسی سوراخ کے بےنقص نظر آرہا ہے۔ کل دن کے پچھلے پہر جب دھوپ ذرا ڈھل گئی تھی تب بھی میں نے آسمان پر کچھ دیر نظر ٹھہرائی تھی اور دن کی روشنی میں بھی یہ اِسی طرح صاف و شفاف اور بےنقص نظر آیا تھا ...... اور ......سوچتے سوچتے خوف کی ایک لہر سی میرے رگ و پے میں دوڑ گئی ہے کہ اگر یہ آسمان اور اِس پر ٹکے ستارے گر جائیں یا آسمان میں سوراخ ہو جائیں یا ستاروں کو چاند پر ٹانک دیا جائے تو؟ کیونکہ اگر اللہ الواحد کے ساتھ دوسرا معبود بھی شریک ہے تو وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی کر سکتا ہے ...... لیکن پاک ہے وہ اِن تمام باتوں سے کہ اُس کا کوئی شریک ہو۔ یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ اُس کا کوئی ہمسر نہیں ، اگر ہوتا تو کچھ تو وہ بھی کہتا۔ اللہ الواحد ہی کائنات کا تنہا خالق و مالک ہے۔ وہ تنہا حکمراں ہے۔ یہ اُسی اکیلے کا انتظام ہے جو اِس قدر جامع اور منظّم ہے کہ آسمان پر موجود سورج ، چاند ، سیارے اور انگنت ستارے ہزارہا سال سے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔ نہ

Marfat.com

چاند کی یہ مجال کہ سورج کے قریب جائے اور نہ سورج ہی آسمان میں پنہاں ہو سکتا ہے۔ یہ تمام کے تمام اپنے خالق کے حکم کے پابند ہیں اور مسلسل حرکت کر رہے ہیں لیکن اِس طرح کہ نہ تو اِن کی رفتار کم ہوئی ہے نہ زیادہ اور نہ یہ اپنے اپنے مدار سے نکل سکتے ہیں۔ اِنھیں جو حکم ملا ہے، اُسی کو یہ بجا لا رہے ہیں ...... اور یوں آسمان پر نظر ڈالتے ڈالتے مجھے ابراہیمؑ یاد آگئے ...... ابراہیمؑ ......کہ جن کی قوم کے لوگ اور والد سورج چاند ستاروں کی پرستش کرتے تھے، لکڑی اور پتھروں سے بت گڑھتے تھے اور اُنھی بتوں کے آگے سر جھکائے ہاتھ جوڑے ہوئے اپنی مرادیں پیش کرتے تھے۔ ابراہیمؑ اپنے اردگرد کے ماحول اور فطرت کے مظاہر کا ژرف بینی اور بصیرت کے ساتھ شب و روز مشاہدہ کرتے تھے۔ اِسی طرح غور و فکر کی ایک رات آسمان پر نمودار ہوتے ہوئے تارے کو دیکھ کر وہ کہتے ہیں کہ یہ تارا میرا رب ہے، اور جب رات رخصت ہوئی اور صبح کے سانس لیتے ہی تارا آسمان سے غائب ہوا تو ابراہیمؑ قلب کی گہرائی سے اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا ڈوبنے والی چیز عالَم کے کاروبار کو چلا سکتی ہے۔ اور پھر ایک رات چمکتے دمکتے چاند کو دیکھا تو اُنھوں نے کہا کہ یہ چاند میرا رب ہے اور صبح کی روشنی میں چاند نظر سے اوجھل ہوا اور سورج اپنی شان و شوکت اور تابانی کے ساتھ مشرق سے نمودار ہوا تو ابراہیمؑ پکار اٹھے کہ چاند نہیں، سورج میرا رب ہے، یہ بہت بڑا ہے مگر جب سورج اپنا سفر پورا کر کے مغرب کی سمت غروب ہوا تو ابراہیمؑ پکار اٹھے کہ میں نے اپنے آپ کو زمین و آسمان کے خالق کے حوالے کر دیا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اور یوں عقیدۂ توحید ابراہیمؑ کے دل میں اِس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ شرک کا شائبہ تک نہیں رہتا ، اور پھر وہ وحدہٗ لاشریک کی ذات کے مکمل شعور اور اعتماد کے ساتھ اپنے والد اور قوم کے سامنے آکر اعلان کر دیتے ہیں کہ وہ اُن معبودوں سے بیزار ہیں جنھیں اُنھوں نے اللہ بنا رکھا ہے۔ یہ پتھر سے بنے بت ، یہ سورج یہ چاند اور ستارے تو خود اپنی ذات پر اختیار نہیں رکھتے محتاج ہیں اور جو خود دوسروں کا محتاج ہو ، وہ کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ معبود تو بس وہی ہو سکتا ہے جو خود بلند ہو ، غنی ہو ، محتاج نہ ہو ...... اور غنی تو بس الواحد ہی کی ذات ہے اور باقی جو کچھ ہے اُس کی مخلوق ہے اور محتاج ہے۔

اللہ سے میرا تعلق اِسی صورت میں جڑ سکتا ہے کہ میں عجز و انکسار سے اُسی غنی سے مانگوں جو دینے سے کبھی نہیں تھکتا ، مانگو تو خوش ہوتا ہے اور جس کا خزانہ ایسا ہے کہ جس میں ذرہ برابر کمی نہیں آتی۔ غنی اور محتاج ایک اَن دیکھی ڈور میں اِس طرح بندھے ہیں کہ غنی اپنی نعمتیں لٹا رہا ہے اور محتاج اپنا دامن بھر رہا ہے اور یہی وہ واحد رشتہ ہے جو اللہ اور میرے درمیان مثل ایک ڈوری کے ہے ، ورنہ اللہ تو وہ عظیم اور یکتا (UNIQUE) ذات ہے کہ میں اِس کے سوا کسی اور طرح اپنے خالق کے ساتھ جڑ ہی نہیں سکتی کیونکہ اللہ تنہا ہے اور اُس کے جیسا کوئی نہیں اور میں تنہا نہیں میرے جیسے بے شمار انسانوں سے روئے زمین بھرا پڑا ہے ...... اور اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور میں دنیا میں آئی اور ایک مدت کے بعد رخصت ہو جاؤں گی ...... اللہ کو نیند آتی ہے نہ اونگھ نہ اُسے کھانے کی حاجت نہ پینے کی ، اور میرا حال یہ ہے کہ اگر ایک دو رات بھی میری نیند پوری نہ ہو تو میرے ہر فعل پر

Marfat.com

اثر پڑ جاتا ہے اور کچھ کھائے پیے بنا تھوڑے سے دن بھی بیت جائیں تو میری زندگی کو خطرہ لاحق ہونے لگتا ہے۔ سو یہی ایک ڈور عاجز اور غنی کی ہے جس سے میں بندھی ہوئی ہوں ...... بالواسطہ یا بلاواسطہ۔ رشتوں کی ...... انسانوں کی ...... ہوا ، پہاڑوں اور سمندروں کی ...... درختوں ، جانوروں اور مٹی کی ......سورج ، چاند ستاروں کی ...... دل کے دھڑکنے کی ......سانس لینے کی ...... ہاتھ پاؤں چلانے کی ......کس کس نعمت کو میں گنوں؟ اُس کی کون کون سی نعمتوں سے میں منہ موڑوں؟ اُس کی عطا کردہ ایک ایک نعمت کی میں محتاج ہوں ، اُس کی پیدا کردہ ایک ایک مخلوق سے میں فائدہ اٹھا رہی ہوں تو پھر جب ایک ہی رشتہ ہے رب کے اور میرے درمیان تو اِس واحد رسّی کو میں مضبوطی سے کیوں نہ پکڑوں؟ اور کیوں اپنی جان پر ظلم کروں اور دربدر پھروں؟ وہی ایک ذات ہے جو پوری کائنات پر اپنی رحمت کے ساتھ محیط ہے اُس کی رحمت کی چھاؤں میں مَیں کیوں نہ آؤں؟ اور کیوں نہ میں ابراہیمؑ کی طرح دل کو الواحد کے سپرد کر دوں؟ میں لاوارث نہیں وہ شہنشاہِ کائنات ہی میرا مالک و وارث ہے تو پریشانیوں ، مصیبتوں غم و آلام میں کیوں نہ میں اُسے پکاروں؟ میں تنہا نہیں ، وہ ہے جو ہر وقت مجھ سے اور کائنات سے باخبر ہے ، جو میرے دل پر گزرنے والی ایک ایک کیفیت سے واقف ہے ، جب جب اُسے پکاروں سنتا ہے اور دل کو سکون عطا کرتا ہے اور ایک انسان کو دنیا میں ایک ہمدرد ، غم خوار ، مددگار اور محسن ساتھی کے سوا کیا چاہیے؟ اور جب اُسے اپنا سمجھ لیا جاتا ہے تو وہی ہے جو دنیا میں بھی اچھے ساتھی عطا کرتا ہے ، اچھے رشتہ دار عطا کرتا ہے ، اچھے پڑوسی عطا

Marfat.com

کرتا ہے ، عزتیں عطا کرتا ہے۔ بس ہر چیز کے لیے اُسی سے مانگنا چاہیے وہ غنی ہے اور میں اُس کی محتاج۔

اور کائنات پر نظر ڈالتے ڈالتے اور ٹھنڈی ہوا کے لمس کو محسوس کرتے کرتے مجھے یاد آ رہا ہے اپنا ماضی ...... ماضی جو ایک داستان لیے میرے سامنے کھڑا ہے اور مجھے یاد آ رہا ہے کہ میرے گھر کا ماحول کچھ ایسا خوش گوار نہ تھا۔ میرے بابا پرتگالی اور ماں سربیا کی کسی بستی کی رہنے والی تھیں جانے دونوں میں کیا قدرِ مشترک تھی کہ ایک ہو گئے تھے۔ ماں ایک خاموش طبع اور الگ تھلگ رہنے والی عورت تھیں اور بابا انتہائی سوشل سوشل ہونا اُن کے عہدے کی ضرورت بھی تھا اور اُن کی فطرت کے مطابق بھی۔ وہ حکومت کی طرف سے مختلف ممالک میں سفیر بنا کر بھیجے جاتے اور جہاں جہاں وہ جاتے میں اور ماں اُن کے ساتھ ہوتے ......شہر شہر ، ملکوں ملکوں گھومنا ، نت نئے لوگوں سے ملنا ، پارٹیاں اور فنکشن ...... اِسی گہما گہمی میں ہمارے شب و روز بسر ہوتے تھے ، لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ جو وقت بھی تنہائی کا ملتا جانے کیسے بابا ماں سے لڑائی کے لیے بہانہ ڈھونڈ لیتے اور ایسے وقتوں میں ماں کی آنکھوں کی ویرانیاں بڑھ جاتیں اور میں سہمی سہمی سی اپنے کمرے میں جا چھپتی۔

میرے گھر میں سرکاری سطح پر نشستیں منعقد ہوتی رہتیں ، مختلف ممالک کے سفیر اور دَوروں پر آئے ہوئے وزیر اپنی بیگمات کے ساتھ بلائے جاتے۔ اُن سفیروں اور وزیروں کی بیویاں مجھے ایک آنکھ نہ بھاتیں۔ میں سوچا کرتی کہ سفیر ، وزیر تو اپنے ملک کے نمایندے ہوتے ہیں ، اپنے معاشرے کی عکاسی

Marfat.com

کرتے ہیں ، پھر اُن کی بیگمات جن کی شکلیں تو ضرور اپنے ملک کی نمایندہ ہیں لیکن اُن کے طور طریق اُن کے چہروں کی عکاسی نہیں کر رہے۔ اُن سب کے انداز ، لہجے ، فیشن کے رنگ ایک ہی جیسے ہیں۔ اور یہ سوچ میری حساس طبیعت پر ایک بوجھ ڈال دیتی ، اور شاید یہی وجہ ہے کہ ماں اِن مجلسوں میں موجود ایک اجنبی سی معلوم ہوتیں۔

بابا جس ملک بھی جاتے ، غیر سرکاری سطح پر بھی اپنے تعلقات بڑھاتے رہتے۔ یوں میرے گھر میں مختلف مکاتبِ فکر کے لوگ جمع رہتے۔ کبھی بابا چرچ کے پادریوں کو گھر بلا لیتے جو اپنے دھیمے دھیمے ، ملائم لہجے میں باتیں کر کے ماحول میں ایک خوش گوار سی ٹھنڈک اور سکون کا احساس پیدا کرتے کبھی زرد رنگ کے کپڑوں میں ملبوس ، گلے میں موٹی موٹی مالائیں اور انگلیوں میں بڑی بڑی انگوٹھیاں پہنے جوگیوں کو لے آتے جو اونچی اونچی آوازوں میں جانے کیا کیا ورد کرتے کہ پورے گھر میں ایک کیف سا چھا جاتا اور کبھی کبھی ٹوپیاں پہنے اور ہاتھوں میں تسبیح لیے مولوی قسم کے لوگ میرے گھر میں کافی کافی دیر رہتے اور بحثیں ہوتی رہتیں۔ یوں بچپن ہی سے دنیا اور دنیا والوں سے مجھے آگاہی ہو رہی تھی اور میں اِنھی مشاہدات و تجربات سے گزرتی بڑی ہوتی گئی۔

Marfat.com

کسے خبر، ہے بھنور بے کس یا چلا ہے ساحل کی جستجو میں
ترے سہارے، اے خدائے برتر! جہاز لنگر اٹھا رہا ہے

(رضی اختر)

Marfat.com

۲

کالج کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد میری طبیعت خود بخود سیاحی کی طرف راغب ہو گئی اور مجھے اِس پر کوئی ایسی حیرانی بھی نہ تھی ،کیونکہ بچپن ہی سے قدرتی مناظر سے دلی لگاؤ اور ملکوں ملکوں ، شہروں شہروں پھرنے سے طبیعت میں سیلانی پن نمایاں ہو رہا تھا اور پھر ماں اور بابا کے ایک دوسرے سے سرد رویوں کی وجہ سے بھی گھر کے ماحول سے مجھے کچھ ایسا اُنس بھی نہ تھا۔ اور ایک دن میں نے بابا سے اپنی اِس خواہش کا اظہار کر ہی دیا جسے اُنھوں نے کچھ رد و قدح کے بعد مان لیا اور اپنے پیسے اور اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے مجھے ایک ٹورسٹ کمپنی کھلوا دی۔ اُس کمپنی کو میں اپنی انتھک محنت ، شوق اور لگن سے اِس مقام تک لے آئی کہ جلد ہی دنیا کی بہترین ٹورسٹ کمپنیوں میں اُس کا شمار ہونے لگا۔ میں نے کمپنی میں جتنے ٹورسٹ

Marfat.com

گائیڈز کا انتخاب کیا تھا ، وہ اپنی جگہ ایک مثال تھے۔ مقامات کے متعلق اُن کا علم مکمل تھا اور طبیعت میں ایک خاص شگفتگی تھی۔ وہ بات کرنے کے فن میں ماہر تھے ، یہی وجہ تھی کہ سیاح نہ صرف اُن کی باتوں اور رویوں سے محظوظ ہوتے بلکہ اُن کے علم سے اُن کی سیاحی کی تشنگی بھی مٹ جاتی۔

کمپنی کی بے پناہ ذمہ داریوں کے باوجود میں بھی گاہے بگاہے سیاحوں کے ساتھ جاتی رہتی اور یوں اپنے شوق کی بھی تسکین کرتی رہتی۔ اور آج جب میں ایک سیاح پارٹی کے ساتھ اِس مقام پر آئی ہوں جہاں بچپن میں بھی آ چکی تھی تو گویا میرے اُس وقت کے احساسات کو زبان مل رہی ہے اور میں دیکھ رہی ہوں صاف و شفاف پانی جو اشاروں سے صدائیں دیتا جانے کتنے رازِ محبت سینے میں چھپائے مچل مچل کے ایک ہی سمت میں بہہ رہا ہے ...... اور میں بھی ...... اِسی کے متوازی ، اِس کے ہم قدم اِس کے مد و جزر کے دل آویز ترانوں کو سنتے سنتے چل رہی ہوں۔ میں پانی کے بہاؤ کے ساتھ چلی جا رہی ہوں ، یہاں تک کہ یہ ایک شدید قوت کے ساتھ نیچے کی سمت گر رہا ہے۔ یہ نیاگرا شہر کا آبشار ہے اور میں اِسی آبشار سے متصل جنگلے کے قریب لگی سوچ رہی ہوں کہ یہ امرت کے خزانوں سے بھرا پانی جس کے ساتھ میں چل رہی تھی ، کیوں ایک موڑ پر آ کے نیچے کی طرف گر گیا ہے؟ اور یہ اگر یہ زمینی کشش کی وجہ سے ہے تو کیوں زمین کی مقناطیسی کشش اِس مقام پر اِتنی شدت اختیار کر گئی ہے کہ پانی شدید قوت سے آبشار کی شکل میں نیچے گر رہا ہے؟ زمینی کشش اور آبشار تو وحدہٗ لاشریک ہی کا حکم بجا لا رہے ہیں اور اسی لیے آبشار الواحد کے

سامنے سجدہ ریز ہے۔ اگر کسی دوسرے معبود کا وجود ہے تو وہ اِسے نیا حکم کیوں نہیں دیتا! کیا یہ پانی اُس باطل خدا کے حکم سے اوپر کی سمت نہیں اچھل سکتا تھا؟ تصور کی آنکھ سے دیکھا کہ کیا نظارہ ہے۔ ایک باطل معبود پانی کو حکم دے رہا ہے کہ نیچے کی طرف گر، اور دوسرا معبود کہہ رہا ہے کہ اوپر کی طرف اچھل جا، اور کوئی اور باطل خدا اُسے جنگلے سے باہر کی طرف نکل جانے کا حکم دے رہا ہے۔ کئی خداؤں کی طرف سے احکام کی بارش ہے۔ پانی کس خدا کی مانے؟ پانی، جو زندگی کی علامت ہے، گلے میں اتر جائے تو امرت پتھر سے پھوٹے تو چشمہ، پہاڑوں کے سینے کو کاٹتے ہوئے میدانوں کا رخ کرے تو دریا بن جائے اور دریا سمندر کی گود میں سر رکھ کر ساحل کے ضیاپاش شاداب نظاروں سے دل بہلائے ...... اور سمندر ......کبھی تو اِتنا پُرسکون اور دل کش جیسے خوابیدہ محبتوں کے ترانے گنگنا رہا ہو اور اپنے سینے سے لگی دل فریب کشتیوں کو سہانے گیت گاتے ہوئے منزل کی طرف پہنچا رہا ہو، اور کبھی بپھر جائے تو ایک بھونچال آجائے اور ساحل سے ٹکرا کر سب کچھ تہ و بالا کر دے اور اپنے سینے پر چلنے والی کشتیوں کے منہ الٹ دے اور جان کا دشمن بن جائے۔ اور پانی کو دیکھتے ہوئے میں سوچ رہی ہوں کہ پانی کی ماہیت کتنی عجیب ہے جو خود بنانے والے کی قدرت پر سر دُھن رہی ہے پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مل کر بنا ہے، آکسیجن جو جلتی چیزوں کو اور تیزی سے جلاتی ہے اور ہائیڈروجن جو خود بھڑکتی ہے، یہ دو بھڑکتی گیسیں جب ایک اور دو کے فارمولے کے تحت جمع ہوتی ہیں، یعنی ایک ایٹم آکسیجن کا اور دو ایٹم ہائیڈروجن کے توازن سے بنا یہ نیا مالیکیول پانی کی شکل میں جنم

Marfat.com

لیتا ہے اور ہر جان دار کو زندگی دینے کا باعث بن جاتا ہے۔ اُس زبردست ہستی کی کیا قدرت ہے کہ اُس کے حکم سے دو بھڑکتی گیسیں مل کر امرت کا روپ دھار لیتی ہیں اور یہ امرت آگ کو بجھا دیتا ہے۔ پانی چاہے میرے جسم میں دوڑ رہا ہو یا آبشار بن کر گر رہا ہو، چشمہ بن کے پھوٹ رہا ہو یا سمندر بن کے کروٹیں بدل رہا ہو، اُس کی ماہیت نہیں بدلتی، نہ اُس کے ایٹم بدلتے ہیں اور نہ اُن ایٹموں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ جب سے زندگی وجود میں آئی ہے، یا جانے اِن سے بھی پہلے سے، پانی رب الواحد کے حکم سے اِسی ماہیت پر ہے۔ کوئی دوسرا معبود اگر وجود رکھتا تو کیا وہ اپنی مرضی کا پانی نہ بنا لیتا؟ اور سمندر جو کشتی کو تھامے ہوئے ہے اور کشتی جو لکڑی سے بنی ہے، سمندر جو دو بھڑکتی گیسوں سے بنا ہے، کیا دوسرا معبود اپنی طاقت استعمال کر کے پانی میں آگ کی کیفیت پیدا کر کے لکڑی کی کشتی کو جلا نہ دیتا؟ بلکہ میں دیکھ رہی ہوں کہ دو بھڑکتی گیسیں اِس کشتی کو جلا نہیں رہیں بلکہ اِسے بڑی سبک رفتاری سے ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچانے کے لیے واسطہ بنی ہوئی ہیں۔ یہ رب الواحد کا حکم ہے جو اُس نے سمندر کو دے رکھا ہے کہ اِس کشتی میں سوار مسافروں کو بحفاظت پہنچا دے اور ہواؤں کو بھی حکم دیا کہ منزل کی سمت چلتی رہیں اور سفر میں آسانی پیدا کریں اور یہی الواحد ہے کہ کبھی پانی کو حکم دیتا ہے کہ کشتی کو الٹ دے اور مسافروں کو ختم کر دے، ہواؤں کو حکم دیتا ہے کہ کشتی کے الٹنے میں پانی کی مدد کر یہ مشیت کے راز ہیں۔ ضروری نہیں کہ مجھے اِن کا علم ہو، کیونکہ وہ چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام اپنی حکمت کے تحت کرتا ہے۔ اور یہ وہی

Marfat.com

ہے جو اپنے بندے کو خشک ریگستانی علاقے میں ایک کشتی بنانے کا حکم دیتا ہے۔ جو نا سمجھ تھے، وہ ہنستے تھے، مذاق اُڑاتے تھے کہ جہاں پانی کا دور دور تک نام و نشان نہیں، وہاں کشتی کا کیا کام، لیکن الواحد اپنے علم میں کسی کو شریک نہیں کرتا، ہاں! بس جتنا وہ چاہے اور جسے چاہے۔ وہ پانی کا محتاج نہیں۔ وہ چاہے تو جہاں ریگستان ہوں خشک پہاڑوں کے سلسلے ہوں، وہاں ایک چھوٹے سے سوراخ سے پانی نکال کر سمندر بہا دے؛ وہ چاہے تو آسمان سے بارش برسا کر اِس سمندر کو مزید ہلاکت خیز بنا دے۔ وہ ربِ ذوالجلال ہے، تمام معاملات کا فیصلہ وہ خود ہی کرتا ہے۔ اور ایسے ہی ایک ریگستانی علاقے میں مَیں دیکھ رہی ہوں کہ ہر سُو پانی ابل رہا ہے، آسمان بھی موسلا دھار بارش برسا رہا ہے، ہر چیز اتھل پتھل ہو رہی ہے، کتنی ہی جانیں تیز پانی کے ریلے میں بہہ کر ہلاک ہوئی جا رہی ہیں اور کتنے ہی پہاڑ اونچی اونچی لہروں میں چھپے جا رہے ہیں۔ پانی کی سرکش موجوں نے ایک طوفان مچا رکھا ہے۔ ایسے ہول ناک منظر میں ایک کشتی جس کا کوئی ملاح نہیں، ایک سادہ سی کشتی جس میں حفاظت کا کوئی انتظام نہیں، بڑی ہی سبک رفتاری سے اِن سرکش موجوں پر رواں دواں ہے۔ عقل محوِ تماشا ہے ...... اِس میں بیٹھے ہیں نوحؑ اور اُن کے ساتھی اور یہ وہی ساتھی ہیں جنھوں نے نوحؑ کے کہنے پر چھوڑ دیا باطل معبودوں کو: وَدّ کو اور سواع کو، یغوث، یعوق اور نسر کو اور مان لیا اپنے رب کو اور اقرار کر لیا اُس کے رب الواحد ہونے کا۔ تو الواحد نے بھی آج اُنھیں اِس طوفان اور پریشانی سے نجات دے دی۔ اِسی طرح نجات دیا کرتا ہے وہ اپنے ماننے والوں کو۔ اور جو ڈوب رہے تھے، اُنھوں نے کہا

Marfat.com

تھا کہ نہ چھوڑیں گے وہ شیر کی شکل والے معبود یغوث کو اور نہ گھوڑے کی شکل کے یعوق کو اور نہ گدھ کی شکل کے نسر کو اور نہ مرد کی شکل والے وَدّ کو وہی اُن کے معبود ہیں ، اللہ کے شریک ہیں اور وہ بت ہی اُن کے سہارے ہیں وہی اُنھیں نجات دیں گے ، تو اُس وقت اُن کا کوئی معبود اُنھیں بچانے نہیں آیا ، بلکہ اُن کے مردوں ، عورتوں اور جانوروں کی شکل میں ڈھلے یہ معبود خود بھی اُسی طوفان میں اُن کے ساتھ بے یار و مددگار بہہ گئے:

تباہی مچا دی ہے طوفانِ نوحؑ نے
مگر ایک خاص کشتی متزلزلِ محض ہے
(رضی اختر)

نیاگرا فال کو دیکھتے دیکھتے میں خیالوں کی دنیا میں اِتنی دور نکل گئی تھی کہ سیاحوں کی واپسی کا وقت ہو گیا اور وہ ایک ایک ، دو دو کر کے اُس مقام پر واپس آنے لگے جو میں نے اُن کے لیے مقرر کیا تھا تا کہ جب تمام سیاح ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ہم وہاں سے روانہ ہو جائیں۔

Marfat.com

۳

میں جب اپنے سیاحوں کو واپس شہر لے کر آئی تو ایک خبر میرے انتظار میں تھی۔ دنیا میں میری عزیز ترین ہستی میری ماں ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئی تھیں کہ جس سے لڑ کر چند ہی لوگ زندہ رہ پاتے ہیں۔ ماں کی بیماری نے مجھے بدحواس کر ڈالا ، میرا دل جیسے کسی نے مسل ڈالا۔ ماں کی آغوش میں سر رکھ کر میں دیر تک خشک آنسوؤں کے سمندر اپنے دل میں اتارتی رہی ، ماں کے چہرے کو تکتی رہی اور یہ جان کر کہ اِن کا اور میرا ساتھ صرف چند مہینوں کا ہے ، دل ہی دل میں اِن کے ساتھ رہنے کے منصوبے بناتی رہی۔ یوں میں نے اپنی زندگی کا ایک اہم فیصلہ کیا۔ اپنی ٹورسٹ کمپنی ایک قابلِ اعتماد آدمی کے حوالے کی اور نرسنگ کی تعلیم جو میں مکمل کر چکی تھی ، اُس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے جی جان سے ماں کی خدمت اور دیکھ بھال کرنے

Marfat.com

لگی۔ میری محبت اور خدمت سے ماں کی حالت سنبھلنے لگی۔ ماں کو بہتر پایا تو دل میں ٹھان لیا کہ اب بقیہ زندگی ماں کی دیکھ بھال کے علاوہ دوسرے بیماروں کی خدمت میں بھی صرف کروں گی اور میری خدمت، جذبے اور خلوص سے ایک بیمار بھی مسکرا اٹھا تو میں سمجھوں گی کہ میری محنت کا ثمر مل گیا۔ چنانچہ میں نے مختلف ہسپتالوں میں ملازمت کے لیے درخواست دینا شروع کی۔

ملازمت کا تقرر نامہ موصول ہوا تو میں ماں کے قدموں میں جھک گئی اور ماں نے اپنے کمزور کانپتے ہاتھوں سے مجھے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور میرا دل طمانیت سے بھر گیا۔

آج میری زندگی کا اہم ترین دن ہے۔ نوکری کے پہلے دن میں وقت سے پہلے پہنچ گئی ہوں۔ جس ادارے میں مجھے نوکری ملی ہے، وہ انسانی معراج کا ادارہ ہے، قدرت کا انسان پر انعام کا ادارہ ہے۔ یہ وہ ادارہ ہے جس میں قدرت کے حکم سے ایک انسان ایک نئے انسان کو جنم دینے میں معاون ہوتا ہے۔ یہ جدید ترین اور نازک ترین ٹکنالوجی سے لیس مصنوعی تولید کا ادارہ ہے جسے عام فہم زبان میں ٹسٹ ٹیوب بے بی سنٹر کہا جاتا ہے۔

ابھی یہاں کوئی نہیں۔ میں تنہا پورے ادارے میں گھوم رہی ہوں ماحول پر خاموشی طاری ہے۔ پیچیدہ مشینوں اور جدید آلات سے مرصع تجربہ گاہ کوئی عام تجربہ گاہ نہیں۔ یہاں انسان کے بکھرے وجود کو تشکیل دی جاتی ہے۔ یہاں انسان کے جسم کا پہلا خلیہ زائی گوٹ (ZYGOTE) جنم لیتا ہے اور انسانی آنکھ اُس ZYGOTE کو ایک ایک قدم زندگی کی طرف بڑھتے دیکھتی ہے

تنہائی ہے اور لیبارٹری ساؤنڈ پروف۔ یہاں آوازیں قید ہیں۔ نہ اندر سے کوئی آواز باہر جاتی ہے اور نہ باہر سے اندر آتی ہے۔ بس میرے دل کی دھڑکن ہے جو مجھے میرے وجود کا احساس دلا رہی ہے۔ ماحول کی پُراسراریت میری رگ رگ میں سما رہی ہے۔ میرا ریشہ ریشہ کانپ رہا ہے میں پوری طرح اِس ماحول میں جذب ہو چکی ہوں۔ شعور سے لاشعور کی دہلیز پر پاؤں رکھتے ہی میں تحت الشعور میں داخل ہو چکی ہوں اور مجھے یاد آ رہا ہے کہ میں وسیع و عریض باغوں میں رہتی تھی، میرے ساتھ میرے دوست احباب اور رشتہ دار بھی تھے۔ میں سارا دن اُن کے ساتھ باغوں میں گھومتی پھرتی، اونچے اونچے پیڑوں پر چڑھ کر نیچے بہتی مدھر لہروں کا نظارہ کرتی ...... اور جب کھیلتے کھیلتے تھک جاتی تو گھنے پیڑوں کے سایے تلے موسمی اور انار کے خوش ذائقہ مشروب پیتی۔

دن یوں ہی مزے سے گزر رہے تھے کہ ایک دن میری عزیز دوست مجھ سے رخصت ہو کر دنیا کے گھر جا پہنچی۔ اُسے گئے ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا ہوگا کہ میری دوسری سہیلی بھی دنیا کے سفر پر چلی گئی اور یوں وقفے وقفے سے میرے تمام ساتھی ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے۔ میں تجسس سے سوچتی کہ دنیا آخر کیا جگہ ہے اور یہ سب وہاں کیوں بھیجے جا رہے ہیں۔ جب میرے تمام دوست احباب دنیا میں چلے گئے تو میں نے بھی پوچھ ہی لیا کہ میں کب دنیا میں بھیجی جاؤں گی۔ مجھے بتایا گیا کہ ابھی تھوڑی دیر ہے۔ دوبارہ پوچھنے پر پھر کہا گیا کہ تھوڑی دیر ہے۔ تھوڑی دیر اور تھوڑی دیر سنتے سنتے بہت سارے دن بیت گئے اور میں سوچنے لگی کہ

Marfat.com

آخر میرے لیے دیر کیوں ہو رہی ہے اور کیوں نہیں میں بھی اپنی دوستوں کے ساتھ دنیا میں بھیج دی گئی۔ گو میں خود اپنے اِس گھر سے نکلنا نہیں چاہتی تھی لیکن چونکہ مجھے بتا دیا گیا تھا کہ مجھے وہاں جانا ہے اس لیے دنیا دیکھنے کا شوق غالب ہو چلا تھا۔ اگر مجھے جانا ہی تھا تو آخر کیوں نہیں بھیجا جا رہا ہے؟ یہ وہ سوال تھا جو بار بار میرے ذہن کے پردے پر ابھر رہا تھا۔

یوں ایک روز مجھے بتایا گیا کہ میرے وجود کے حصے میرے ماں باپ میں کافی پہلے رکھ دیے گئے تھے اور میرے ماں باپ کو دور دراز ملکوں سے بلا کر مقدس رشتے میں باندھ دیا گیا تھا لیکن میری ماں جو بچپن سے طاق میں سجی گڑیوں سے کھیلتی کھیلتی ممتا کے جذبے سے سرشار بڑی ہوئی تھی ، وہ میرے لیے کس قدر تڑپ رہی ہے اور میرے بابا بھی میری آمد کے شدت سے منتظر ہیں ، لیکن میری ماں کو درپیش کسی مسئلے کی وجہ سے میں اُسے نہیں مل سکتی اور میری ماں میرے حصول کے لیے در در جا رہی ہے۔ ڈاکٹر، حکیم ، وید ، پیر فقیر ، کون سی وہ جگہ ہے جہاں میری ماں نہ پہنچی ہو اور کون سی وہ جگہ ہے جہاں میرے باپ نے اپنی خون پسینے کی کمائی نہ بہائی ہو۔ لیکن وہ لوگ جن سے میرے والدین کی امیدیں وابستہ ہیں کہ میری ماں کا صحیح علاج کر سکیں ، وہی لوگ میرے والدین کو ایمان داری سے بتانے کے بجائے علاج کے بہانے اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں اور وہ جگہ جو میرے وجود کے حصول کے لیے ضروری تھی اُسے بتانے سے گریز کر رہے ہیں۔ اور اِس طرح میری ماں امید و بیم کی حالت میں ہراساں ہراساں ہر جگہ گھوم رہی ہے اور شدید ذہنی اذیت کا شکار ہے۔ وہ رشتہ دار

Marfat.com

اور دوست احباب جو میرے والدین کی شادی میں پیش پیش تھے اور جنھوں نے اُنھیں اُس وقت اپنی بے شمار دعاؤں سے نوازا تھا اور اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کیا تھا ، وہی اپنی فرسودہ باتوں اور سطحی ذہنوں کے ساتھ میرے والدین کی محرومیوں میں اضافے کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ اگر میں اپنے والدین کے پاس ابھی نہیں پہنچ پائی ہوں تو وہ لوگ کیوں میرے والدین سے میرا مطالبہ کر رہے ہیں؟ اُن پر کیوں طعن و تشنیع کر رہے ہیں؟ کیا اُنھیں علم نہیں کہ خود میرے ماں باپ کتنی شدت سے میری آمد کے منتظر ہیں؟

اور ایک دن مجھے بتایا گیا کہ میرے والدین کا انتظار اور میرا اُن تک پہنچنے کا تجسس بس ختم ہی ہوا چاہتا ہے ،کیونکہ میرے والدین کو ایک ٹسٹ ٹیوب بے بی سنٹر کے متعلق معلوم ہوا ہے جہاں سے وہ مجھے حاصل کر سکتے ہیں۔ وہاں جا کر اُنھیں معلوم ہوا کہ میری ماں کے جسم کی وہ گلی بند تھی جہاں میرے بکھرے وجود کا سنگم ہونا تھا اور ٹسٹ ٹیوب بے بی سنٹر میری ماں کی اِس کمزوری کو دور کر کے اور جدید ترین تکنیک استعمال کر کے مجھے میرے والدین سے ملا سکتا تھا ...... اور میں جو وسیع و عریض باغوں میں مزے سے رہتی رہی تھی ، بلند و بالا عمارتوں ، چہچہاتے خوب صورت پرندوں مدھر مدھر بہتی لہروں اور دور دور تک سایہ دار درختوں کے درمیان گھومتی پھرتی رہی تھی ، بہترین کھانوں اور خوش ذائقہ مشروب سے لطف اندوز ہوتی رہی تھی ، مجھ سے کہا گیا کہ دنیا میں جانے کا وقت آ گیا ...... اور پھر میرے ماں باپ سے میرا آدھا آدھا وجود حاصل کر کے تجربہ گاہ میں ملایا گیا

Marfat.com

مجھے مختلف نلکیوں میں ہلایا گیا ، طرح طرح کی مشینوں میں گھمایا گیا اور ایک خاص ماحول کے کمرے میں رکھا گیا ...... اور یوں جب میری اچھی طرح پرورش ہو گئی اور میرے بے شمار خلیات دو گروہوں میں بٹ گئے اور اُن میں سے ایک گروہ اندر کی طرف اور دوسرا باہر کی طرف INNER CELL MASS اور OUTER CELL MASS کی شکل میں اپنی اپنی جگہ جم گئے اور وہ سمجھ گئے کہ اب اُنھیں کیا اور کس طرح کام کرنا ہے تو مجھے ایک خاص نلکی کے ذریعے ماں کے رحم میں ڈال دیا گیا اور ماں نے مجھے پہچان لیا اور اِدھر اُدھر بھٹکنے سے بچا کر اپنے جسم سے مجھے چپکا لیا۔ میں ماں کے جسم سے چپکی توانائی حاصل کرتے کرتے نت نئے رنگ بدلتی رہی اور بالآخر جب میرے انگنت خلیات کی تین پرتیں بن گئیں اور اُنھیں اُن کے متعینہ کام سونپ دیے گئے کہ کون سی پرت میرے وہ اعضا بنائے گی جو میرا رابطہ باہر کی دنیا سے رکھیں گے اور کون سی پرت میرے ہاتھ پاؤں بنائے اور کون سی پرت دوسرے اعضا اور اُن کی بیرونی دیواریں بنائے تو میرے تمام خلیات اپنے اپنے کاموں میں جٹ گئے ...... ماں کا خون مجھے پروان چڑھاتا گیا اور میں مختلف اعضا میں ڈھلنے لگی۔

اِس پُراسرار ماحول میں اپنی پیدائش کے مدارج پر غور کرتے ہوئے میں سوچ رہی ہوں کہ میرا جسم جو نہ جانے کتنے ملین خلیوں سے مل کر بنا ہے اور اِس کے ہر خلیے میں میرے متعلق پوری معلومات ہیں یعنی اِس طرح ہر خلیے میں مَیں موجود ہوں تو ایسا کیوں نہیں ہو رہا ہے کہ میری انگلی کا خلیہ ، جس میں میری آنکھ کی بھی پوری معلومات ہیں ، آنکھیں کیوں نہیں بنا رہا ہے؟ اور کیوں میرے پاؤں کے نچلے حصے میں ، کہ اُس میں بھی میرا پورا

وجود پنہاں ہے ، کان نہیں بن جاتے؟ اور کیوں ایسا ہے کہ جس جگہ میری آنکھیں ہیں ، اُسی جگہ تمام انسانوں کی آنکھیں ہیں؟ اور دل بھی سب کے ایک ہی مخصوص جگہ پر دھڑک رہے ہیں؟ اور کیوں میرے جسم پر پایا جانے والا ایک ایک عضو دوسرے لوگوں کے اعضا کی جگہوں کے ساتھ مخصوص ہے؟ حالانکہ میرے ایک ایک عضو میں ، ایک ایک خلیے میں میرا پورا پورا وجود ہے تو میں کیوں اِس خاص تنظیم سے ہوں؟ اور یہ تنظیم بگڑ کیوں نہیں جاتی؟ ...... اِس طرح کے سوالات کی بارش ہے جو میرے ذہن پر تواتر کے ساتھ ہو رہی ہے اور اُس کے بند دریچوں کو کھول رہی ہے ...... اور میں دیکھ رہی ہوں کہ میں کس قدر نایاب ہوں ...... میرا جسم بھی اعلیٰ ، میرا دماغ بھی اعلیٰ ...... اور میں ایسی ہوں کہ کوئی میرے مقابل نہیں۔ کائنات کی ہر شے مجھ سے بظاہر برتر سہی لیکن حقیقت میں کم تر ہے ، کیونکہ یہی اللہ الواحد کا فرمان ہے کہ اُس نے مجھے احسنِ تقویم پر پیدا کیا ہے ...... اور مجھے جو دماغ دیا ہے ، وہ اُسی عظیم وعلیم ہستی کی عطا ہے جس کے علم کی کوئی حد نہیں اور وہ اکیلا ہی میرا خالق و مالک ہے اور اُسی کے حکم سے میرے تمام اعضا دوسرے لوگوں کے اعضا کی طرح مقررہ جگہوں میں پروے دیے گئے ہیں اگر دوسرا خدا کوئی وجود رکھتا ہوتا تو وہ مختلف جسمو ں کے انسان کیوں نہ بنا دیتا؟ ہاتھ کی جگہ پیر ، دماغ کی جگہ دل نہ بنا دیتا؟ یعنی کیا اُس کی اپنی کوئی مرضی نہ ہوتی؟

اور میرے رب الواحد نے جس نے مجھے اور مجھ جیسوں کو اعلیٰ دماغ اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی جس کے ذریعے اُنھوں نے میرے

Marfat.com

بکھرے وجود کو نہ جانے کن کن مراحل اور کتنے نازک مقامات سے گزار کر میرے ماں باپ سے حاصل کر کے مجھے تجربہ گاہ میں نمو دیا اور ایک حد تک میری پرورش مصنوعی ماحول میں کی ...... تو یہی عقل و شعور کا مالک انسان کیوں کہہ رہا ہے کہ عیسیٰؑ کا کوئی باپ بھی ہے؟ عیسیٰؑ بغیر باپ کے کیوں نہیں پیدا ہو سکتے؟ ...... جس علیم و خبیر نے انسان کو اِتنی عقل دی کہ وہ ایک انسان کو دنیا میں لانے کا باعث بن سکتا ہے، کمزوریوں، رکاوٹوں اور بیماریوں کو قابو میں لا کر مصنوعی طریقہ کار ایجاد کر سکتا ہے تو کیا اُس انسان کو پیدا کرنے والا، اُسے علم دینے والا کیا اِس اختیار کا مالک بھی نہیں کہ اگر وہ چاہے تو عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کر دے؟ کیوں انسانی عقل یہ ماننے کو تیار نہیں؟ جس ہستیِ واحد نے میری انگلیوں کو یہ طاقت دی کہ جس سے میرا قلم چل رہا ہے، جس ہستی نے آدمؑ کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا اور جس ہستی نے حوا کو آدمؑ یعنی ایک مرد کی پسلی سے نکالا اور اگر وہ چاہے تو کیوں عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا نہیں کر سکتا؟ اور کس میں اِتنی ہمت ہے جو اُس کے معاملات میں بول سکے؟ وہی طاقت ور اور قدرت رکھنے والا ہے۔ اُس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں۔ وہ اکیلا ہی سب پر غالب ہے۔ وہ جو چاہے کرے، کوئی اُس سے کچھ بھی پوچھنے کا مجاز نہیں۔

عیسیٰؑ کی پیدایش میں تو وہی شک کر سکتے ہیں جو گمراہی میں دور نکل گئے ہیں۔ اُن کے پاس عقل تو ہے لیکن وہ سرکشی میں اندھے ہو رہے ہیں اس لیے جا بجا بکھری روشن نشانیاں اُنھیں خدا کی قدرت پر یقین نہیں کرنے دے رہیں۔ عیسیٰؑ کی پیدایش بھی کمال ہے اور اُن کی صفات بھی کمال ہیں

جو نابینا کو بینا کر دیں ، جو مٹی کے پرندوں میں روح پھونک دیں ، جو مُردوں میں جان ڈال دیں ...... لیکن جو عقل سے اندھے اور دل سے مردہ ہو گئے ہیں وہ کیا جانیں کہ عیسیٰؑ کی صفات بھی اُسی اللہ الواحد کی عطا کردہ ہیں جس نے اُنھیں بغیر باپ کے پیدا کیا۔ نہ عیسیٰؑ نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ اُن کا کوئی باپ ہے اور نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں ، وہ خود سے کر رہے ہیں۔ عیسیٰؑ نے ہمیشہ یہی کہا کہ میں اللہ کے نام سے ، اُس کے حکم سے نابینا کو بینا کر رہا ہوں ، مردے کو زندہ کر رہا ہوں ...... جو کچھ مجھے عطا ہوا ہے ، اللہ الواحد کی عطا ہے۔ عیسیٰؑ کو اُس وقت بھی اُنھیں انسانوں نے بغیر باپ کے تسلیم کر لیا تھا جب وہ سائنس سے نابلد تھے۔ تو آج جبکہ دنیا کو سائنسی حقائق کی روشنی میں پرکھا جا رہا ہے ، کلوننگ (CLONINIG) کا دور دورہ ہے تو عیسیٰؑ کی پیدائش پر تعجب کیوں؟ گو اللہ الواحد کی نشانیاں سائنس کی محتاج نہیں ، لیکن یہ بھی اُس بہت دینے والے کا کرم ہے کہ کچھ معاملات میں اُس نے انسانی عقل کو سائنس کے ذریعے بھی سمجھایا ہے۔ عیسیٰؑ اگر مٹی سے چمگاڈر بنا کر اللہ کے حکم سے پھونک ماریں تو وہ اُڑنے لگے اُس مٹی سے بنی اُڑتی چمگاڈر پر کیا تعجب؟ کیونکہ اللہ کی بنائی چمگاڈر تو بذاتِ خود عجیب پرندہ ہے کہ جس کی ساخت بھی عجیب طرح کی ہے کہ وہ بغیر پروں کے صرف بازوؤں کی مدد سے اُڑتا ہے اور مادہ چمگاڈر اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ ایسی ہی مثالوں سے کچھ لوگ ہیں جو تقویٰ کی راہ پا لیتے ہیں ...... اور یحییٰؑ کا ذکر بھی خوب ذکر ہے جن کی ماں بانجھ اور باپ بے حد بوڑھا۔ بوڑھے زکریا اپنے رب سے التجا کرتے ہیں کہ مجھے ایک بیٹا دے جو

Marfat.com

تیرا نام بلند کرے ...... اور قادرِ مطلق اِس اِلتجا کو سن رہا ہے اور خوش خبری دے رہا ہے یحییٰؑ کی ...... وہ نام جو اِس سے پہلے روئے زمین پر نہیں رکھا گیا۔ اب کیا بانجھ پن اور کیا بُڑھاپا! ...... بندے کا کام رب سے مانگنا اور قبول کرنا رب کا ذمہ ...... وہ چاہے تو بنجر زمین پر باغ لگا دے۔ عیسیٰؑ اور یحییٰؑ اللہ کا فیصلہ ہیں۔ جب وہ اپنے نیک بندوں کو نوازنے کا فیصلہ کرے تو عالمین کی کوئی طاقت اور قدرت اُس سے اِس فیصلے پر نظرِثانی نہیں کرا سکتی ...... اور رہی نوازنے کی بات تو وہ تو اپنے نہ ماننے والوں کو بھی نوازتا ہے، مگر یہ نوازش عارضی دنیا تک ہی محدود ہے، یہی اُس کا فرمان ہے ......لیکن اپنے نیک و پارسا و پاکیزہ بندوں کو وہ دنیا میں بھی نوازتا ہے اور ابدی زندگی میں بھی نوازے گا، یہی اُس کا اعلان ہے اور وہ اپنے وعدے میں سچا اور اٹل ہے۔

میں اِس پُراسرار ماحول میں شدید جذبات میں ڈوبی مصنوعی تولید کے ذریعے حاصل ہونے والے اللہ کے اِن عطیات کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ تجربہ گاہ کا دروازہ کھلنے کی آواز نے مجھے خیالوں کی دنیا سے آزاد کر دیا۔ کام کا وقت شروع ہوا چاہتا تھا۔ سائنٹسٹ اندر آنا شروع ہو گئے تھے۔

Marfat.com

۴

میں اِتنی خوش نصیب کبھی بھی نہ رہی تھی کہ ماں کا شمار اُن چند لوگوں میں ہو جاتا جن سے بیماری پیچھا چھڑا لیا کرتی ہے۔ وہ موذی مرض جو عفریت کی طرح ماں کے جسم میں بڑھ رہا تھا، جان لے کر رہا۔ ایک بجلی تھی جو میرے ہوش و حواس پر گر پڑی تھی۔ میں بلک رہی تھی، تڑپ رہی تھی کسی پل قرار نہ تھا۔ لوگوں کے میٹھے بول اور دلاسے بھی میرے غم کو کم نہ کر سکے تھے ...... میرا غم جس میں کسی کو شریک کرنے کے خیال سے بھی مجھے اِس کی توہین کا احساس ہوتا تھا۔ یہ میرا غم تھا، یہ کسی الفاظ کا محتاج نہ تھا یہ میرے سینے میں بسا تھا، میری آنکھوں سے رَواں تھا۔ ہاں! بابا کی توجہ اور پیار ضرور میرے دل کے زخموں کو مرہم کی طرح چھو رہے تھے۔ بابا نے کئی بار مجھے اپنی ٹورسٹ کمپنی کو سنبھالنے کی طرف توجہ دلائی اور کبھی نرسنگ

Marfat.com

کے پیشے کی طرف لوٹ جانے کی۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ذہنی طور پر مصروف ہو جاؤں۔ بابا کی ہمدردی، محبت اور خیال نے میرے سبز زخموں کو کسی حد تک مندمل کیا تو میں حقیقت کی دنیا کی طرف لوٹنے لگی۔ میں نے جان لیا میرے آنسو، میرے غم اُن کو واپس نہیں لا سکتے ...... اگر لا سکتے تو میں عمر بھر اِس غم کو سینے سے لگائے رکھنے کو تیار تھی، اِن آنکھوں کو بہانے کے لیے تیار تھی، لیکن اور بہت سے لوگ میری توجہ، میرے خلوص اور میری خدمت کے منتظر ہیں، یہ سوچ کر میں نرسنگ ہی کی طرف لوٹ گئی اور بابا کی اجازت سے دوسرے شہر چلی آئی کہ اِس شہر میں میں رہنا نہ چاہتی تھی جو میری ماں کا مدفن تھا ...... اور آج ...... اِس شہر کے ایک بڑے ہسپتال میں ایک مریض کے سر پر پٹی باندھ رہی ہوں تو سوچ رہی ہوں کہ یہ وہی شہر ہے جہاں ایک بے بس ماں نے اپنے لختِ جگر موسیٰؑ کو ظالم فرعون کے ڈر سے صندوق میں لٹا کر دریا کے حوالے کر دیا تھا اور ممتا سے مجبور ہو کر موسیٰؑ کی بہن سے کہا تھا کہ دریا کے کنارے چلتی جا اور دیکھ کہ صندوق کس طرف جاتا ہے۔ اور موسیٰؑ کی بہن، جو خود بھی ایک چھوٹی لڑکی تھیں، ماں کے حکم اور بھائی کی محبت میں دشمنوں سے چھپ کر چلتی رہیں اور پھر یہ منظر دیکھتی ہیں کہ دریا موسیٰؑ کو بہا کر فرعون کے محل کی طرف لے گیا ہے اور بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قاتل فرعون نے اپنی بیوی کی فرمایش پر موسیٰؑ کو بیٹا بنا کر اپنے محل میں پرورش کا فیصلہ کر لیا ہے اور موسیٰؑ جس کا مطلب ''پانی سے نکالا ہوا'' ہے، وہ پانی سے باہر تو نکل آئے ہیں بھوک سے بے تاب ہیں مگر ہر عورت کے دودھ کو ٹھکرا رہے ہیں۔ یوں بہن

کی محبت بے قرار ہوئی ہے اور وہ سامنے آجاتی ہیں اور اپنی ماں کی حقیقت کو چھپاتے ہوئے فرعون اور اُس کے درباریوں سے کہتی ہیں کہ وہ ایک ایسی عورت کو جانتی ہیں جس کا دودھ پینے سے موسیٰؑ انکار نہیں کر سکتے۔ اور اِس طرح موسیٰؑ اپنی ماں کی آغوش میں شہزادے کی حیثیت سے ڈال دیے جاتے ہیں ...... اور مریض کے سر پر پٹی باندھتے ہوئے میں سوچ رہی ہوں کہ ایک پٹی وہ تھی جو اللہ رب العزت نے فرعون کے سر پر باندھی تھی اور کیا خوب تھی وہ پٹی کہ جس کے اثر سے اُس کی عقل خبط ہوکر رہ گئی تھی ، کیونکہ پیشانی کے پیچھے ہی دماغ کا وہ حصہ ہے جو عقل و شعور کو قابو میں رکھتا ہے۔ اور یوں خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون کو نہ کبھی شک گزرا نہ اُس نے کبھی تحقیق ہی کرائی کہ موسیٰؑ ، وہ چھوٹی لڑکی جس نے دودھ پلانے والی عورت کے متعلق معلومات فراہم کی تھیں اور وہ عورت جس کا دودھ پیتے ہی موسیٰؑ کو قرار آگیا تھا ، اِن تینوں کا آپس میں کیا رشتہ ہے اور کہیں یہ اُس کے خلاف کوئی سازش تو نہیں۔ یہ فرعون کیسا خدا تھا کہ نجومیوں کی خبر سے کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو اُس کی حکومت کو توڑ دے گا ، بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرانا شروع کر دیتا ہے اور اُسے یہ تک علم نہیں ہوتا کہ وہی بچہ جسے اُس نے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے وہی ہے جو کل اُس کے لیے بڑا خطرہ بنے گا اور اُس کی حکومت کا تختہ الٹنے ہی کے لیے اُس کے محل میں بھیجا گیا ہے۔ یہ باطل خدا فرعون خود نجومیوں کا محتاج ہے ، ستاروں کی چال سے ڈرتا ہے مگر بے حد سرکش ہے ، حد سے نکل جانے والا ہے اسی لیے موسیٰؑ کے روشن معجزات کو دیکھ کر بھی کچھ نہ سمجھا

Marfat.com

ایک طرف تو خود ملکہؑ کے نامی گرامی جادوگروں کو موسیٰؑ کے مقابل لایا اور دوسری طرف جب جادوگر موسیٰؑ کے معجزات کو دیکھ کر اللہ الواحد پر ایمان لے آئے تو اُنھیں عبرت ناک موت کی سزا دی۔ فرعون کی عقل نے ذرا اُس کا ساتھ نہ دیا کہ تھوڑی دیر سوچ لیتا کہ آخر جادوگر جو کچھ دیر پہلے تک اُس کے قرب کے خواہاں تھے ، مال و دولت کے شیدائی تھے ، دربار تک رسائی چاہتے تھے ، اِس سودے کو ٹھکرا کر وہ کون سے بڑے منافع کا سودا کر رہے ہیں کہ موت کی تکلیف بھی اُنھیں خوش دلی کے ساتھ قبول ہے مگر فرعون کا ساتھ گوارا نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ عظمت والے ہی کو ہر غیب اور ظاہر کا علم ہے اور وہ لامحدود عقل اور اختیارات کا مالک ہے۔ اُسی کی قدرت سے فرعون کے دل میں موسیٰؑ کی محبت پیدا ہوئی ، اُسی کی حکمت سے موسیٰؑ نے فرعون جیسے ظالم کے عالی شان محل میں پرورش پائی اور اُسی کی رحمت سے موسیٰؑ کو دوبارہ ماں کی آغوش نصیب ہوئی اور فرعون ، جسے اپنی طاقت کا نشہ تھا ، عقل پر غرور اور اپنے علم پر ناز تھا ، دریا کو پھٹتے دیکھ کر بھی نہ مانا کہ اللہ الواحد ہی طاقت ور ہے اور دریا کے درمیان بنا وہ خشکی کا راستہ اللہ کی قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جس عقل پر فرعون نے بھروسا کیا ، اُسی عقل پر اللہ قہار نے اُس کی سرکشی کی وجہ سے ایسی پٹی باندھی کہ وہ راہِ مستقیم پا ہی نہ سکا اور وہی عقل اُسے لے ڈوبی۔ سچ ہے جو اللہ کا انکار کرتے ہیں ، حد سے نکل جاتے ہیں تو پھر اللہ قادر اُن کی عقلوں پر ، کہ جن پر وہ بھروسا کرتے ہیں ، پردہ ڈال دیا کرتا ہے۔

تاریخ سے بندھا یہ شہر جس کے ایک ہسپتال میں میری تقرری ہے نبیوں اور رسولوں کا شہر ہے۔ آج بہت عرصے بعد بچوں کے وارڈ میں میری ڈیوٹی لگی ہے۔ ایک چھوٹا مریض لڑکا مجھ سے باتیں کرتے کرتے کچھ ہی دیر پہلے نیند کی آغوش میں گیا ہے۔ جانے نیند کی حالت میں کیا خواب دیکھ رہا ہے کہ چہرے پر عجیب سی مسکان ہے۔ اُس کی مسکان اور چہرے پر چمک بتا رہی ہے کہ خواب دل پسند ہے۔ اِس چھوٹے لڑکے کے چہرے کو دیکھتے ہوئے میں سوچ رہی ہوں کہ کیا یوسفؑ کے چہرے پر بھی کوئی چمک تھی جب اُنھوں نے دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے، چاند اور سورج اُن کی تعظیم کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ ایسا ہی خواب تھا کہ اگر کوئی دنیادار اِسے دیکھتا تو بہت خوش ہو جاتا اور دوسرے دنیادار اِس خواب اور ایسا خواب دیکھنے والے سے جل اٹھتے، مگر یہ خواب یوسفؑ نے دیکھا ہے۔ وہ معصومیت اور سادگی سے اپنے والد یعقوبؑ کو خواب سنا رہے ہیں اور یعقوبؑ اِس خواب کی حقیقت کو سمجھ جاتے ہیں، اسی لیے یوسفؑ کو منع کرتے ہیں کہ اپنے بھائیوں کو اِس خواب کے بارے میں نہ بتائیں کہ وہ دنیادار ہیں، کہیں یوسفؑ کے عظمت بھرے خواب سے جل ہی نہ جائیں، یوں کہ خواب تو سبھی دیکھتے ہیں، لیکن اچھے خواب حقیقت بن کر ہر ایک کے سامنے نہیں آیا کرتے، اِس کے لیے ذرا خصوصی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے، رب کے ساتھ تھوڑا سا تعلق قائم کرنا پڑتا ہے اور رب اِس خصوصی طریقے اور تھوڑے تعلق کی بنا پر بھی اچھے خواب دکھا کر اُنھیں حقیقت بنا دیا کرتا ہے اور یہاں تو معاملہ یوسفؑ کا ہے جو خود نبی ہیں۔ ایک نبی کے بیٹے، ایک نبی کے پوتے اور ایک نبی کے پڑپوتے ہیں۔ یہ نبیوں اور رسولوں کے

Marfat.com

خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور رب کے ساتھ اِن کا تعلق بے حد مضبوط ہے یوسفؑ کے والد کو خواب کی بہترین تعبیر سکھائی گئی اور خود یوسفؑ کو بھی فنِ تعبیر سے نوازا گیا اور انتظامی امور سکھائے گئے۔ جب بادشاہ کو خواب نظر آیا تو یوسفؑ کے سوا کوئی نہ تھا جو اُس کی تعبیر بتاتا اور یوسفؑ کی تعبیر حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی جو اپنی بہترین انتظامی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے غلہ ذخیرہ کرنے کی رائے بھی دیتے ہیں اور طریقے بھی بتاتے ہیں ...... اِس طرح یوسفؑ کے اِس فن کو اور اِس صلاحیت کو لوگوں کے لیے خیر کا باعث بنا دیا جاتا ہے کہ شدید قحط کے زمانے میں اپنی بہترین انتظامی صلاحیت سے وہ نہ صرف اپنے شہر، اپنے ملک کے لوگوں کو بھوکا مرنے سے بچاتے ہیں، بلکہ دور دراز کے ملکوں سے بھی لوگ آکر غلہ وصول کرتے ہیں یوسفؑ کو اِتنا فہم و ادراک، اِتنا علم اور حکمت دینے والا وہی اللہ ہے جو قادرِ مطلق ہے اور جس کے حکم کے بغیر ایک پتا بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ اُنھیں اِتنا صبر دینے والا کہ طاقت ہونے کے باوجود بھی اپنے دشمن بھائیوں کو معاف کر دیتے ہیں، اللہ ہے اور اُسی کا کرم ہے کہ یعقوبؑ (اسرائیل) کے بیٹے یوسفؑ کو اِس شہر کے ملک کا بادشاہ بنا دے یا بنی اسرائیل ہی کے بیٹے موسیٰؑ کے ہاتھوں فرعون کو غرق کرا کے قومِ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلوائے، کیونکہ پوری کائنات پر اُسی کی حکمرانی ہے۔

ہسپتال کے مختلف وارڈز میں میری ڈیوٹیاں لگتی رہیں اور میں تاریخی داستانوں کو اپنے ذہن کی نگاہ سے کھنگالتی رہی اور ہسپتال کے فارغ لمحات میں مشغول رہنے کے لیے شہر میں ہونے والی سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہی۔

Marfat.com

۵

کہ صدیوں سے تہِ خاکِ عذابِ جاں کنی ہوں میں
ہزاروں سال کی تاریخ ہے اور مر رہی ہوں میں
(فضا اعظمی)

ماں کا بابا سے دبے رہنا ، اپنی جائز خواہشوں اور ضرورتوں کا گلا گھونٹنا اور اپنے حقوق سے صرف اس لیے دست بردار ہونا کہ گھر کی فضا کشیدہ نہ ہو ، یہ وہ محرکات تھے جن کی وجہ سے میں نے شہر کی انجمنِ حقوقِ نسواں میں شمولیت اختیار کر لی تھی اور مظلوم خواتین کو اُن کے حقوق سے آگاہ کر کے اور اُنھیں اُن کے جائز حقوق دلوا کر گویا میں ماں سے اپنی شدید محبت کے تقاضے نبھا رہی تھی۔

Marfat.com

ہسپتال کی ڈیوٹی سے فراغت کے بعد فرصت کے جو بھی چند گھنٹے میسر آتے ، میں انجمن کے کاموں میں مصروف ہو جاتی لوگوں سے ملنا اخباروں ، رسالوں میں کالم لکھنا ، اجلاس منعقد کرنا ، وہ کام تھے جو میں نے اپنے ذمے لے رکھتے تھے۔

میرا یہ خیال تھا کہ عورتوں کے حقوق سے متعلق جو بھی انجمن یا تحریک کام کرتی ہے ، اُس کے بارے میں عام تاثر یہ ہوتا ہے کہ ایسی انجمنیں عورتوں پر مردوں کی بالادستی کی مخالف اور آزادی کی خواہاں ہوتی ہیں اور یہ تاثر کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا ، کیونکہ شہر میں آزادیِ نسواں کے نام پر جو کچھ ہو رہا تھا ، سب کے علم میں تھا مگر ہماری یہ انجمن آزادی کے نام پر عورتوں کے بے جا مطالبات کی قائل نہ تھی ، بلکہ خواتین کو اُن کے فرائض کی طرف متوجہ کر کے اُن کے حقوق کی بات کرتی تھی۔ حقوقِ نسواں کے تحفظ کے بارے میں اُس کے ارادے بہت پختہ تھے اور اِس ضمن میں کسی بھی طرح کی مصالحت ممکن نہ تھی۔ یہ انجمن اِس لحاظ سے واقعی بالکل الگ تھی کہ یہ خواتین کو اُن کے فرائض کی طرف متوجہ کر کے اُن کے جائز حقوق کی بات کرتی تھی جس سے وہ اپنی ذمہ داریوں ، فرائض اور اپنے جائز حقوق سے آگاہ ہوتیں۔

انجمنِ حقوقِ نسواں کے اِس منشور نے خواتین کو اُس طبقۂ فکر سے نجات مل گئی تھیں جو آزادانہ اور خودمختارانہ زندگی گزارنے اور مردوں کی برابری کا قائل تھا ، بلکہ اب ایسی باشعور ، پیشہ ور اور نیک طینت خواتین باقی رہ گئی تھیں جو کئی معاملات میں مردوں کی برتری کو تسلیم بھی کرتی تھیں اور اُنھیں عزت و

Marfat.com

احترام دینے کو بھی تیار تھیں، تاہم عورتوں کے حقوق غصب کیے جانے اور اُن پر ذہنی و جسمانی تشدد روا رکھے جانے کے حق میں قطعاً نہ تھیں۔

انجمن کی سالانہ سہ روزہ کانفرنس قریب تھی اور میں سخت مصروف بین الاقوامی سطح پر منعقد کی جانے والی اِس کانفرنس میں ہر سال ہزاروں خواتین و حضرات شریک ہوتے تھے۔ مجھ پر بھی کام کا کافی بار تھا، اسی لیے میں نے ہسپتال سے ایک لمبی چھٹی منظور کرا لی۔

اِس کانفرنس میں کوئی مقالہ پڑھنے کا میرا قطعاً ارادہ نہ تھا، لیکن صدرِ مجلس اور دوسرے شرکا کے بے حد اصرار پر میں نے کچھ تیاری کر لی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ میں تقریر کے فن میں ماہر تھی اور میرا اندازِ بیان سب سے جدا تھا اور میں اپنی آواز کے زیر و بم، خوب صورت لہجے اور ٹھوس نکات سے حاضرینِ محفل کو پوری طرح گرفت میں لینے کے ہنر سے آشنا تھی۔

آج کانفرنس کے دوسرے دن شام کے سمے میں اسٹیج پر تقریر کے لیے موجود ہوں۔ آڈیٹوریم کی روشنی دھیمی کر دی گئی ہے۔ ہزاروں مردوں اور خواتین کے وہاں موجود ہونے کے باوجود آڈیٹوریم میں مکمل خاموشی ہے میری تقریر سے پہلے ہی حاضرینِ محفل ایک خاص کیفیت میں ڈوب گئے ہیں اور اِس خاموشی میں میری آواز آہستہ آہستہ ابھر رہی ہے: ...... بلند و بالا پہاڑ ہیں، ویرانہ ہے، سناٹا ہے ...... ایک کم عمر حسین عورت گود میں چھوٹا بچہ اٹھائے بے تابی سے اپنے شوہر کے پیچھے چلی جا رہی ہے۔ وہ ہراساں ہے کہ اُس کا شوہر اُنھیں اِن سنگلاخ چٹانوں اور بے آب و گیاہ راہ گزر کے

Marfat.com

درمیان کیوں چھوڑ کر جا رہا ہے۔ خوف اور دہشت کی بے پایاں کیفیت ہے جو اُس کے دل و دماغ کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ خیال اُسے ڈس رہا ہے کہ وہ تنِ تنہا کیسے رہے گی، لیکن شوہر نہ اُس سے کچھ کہہ رہا ہے، نہ دلاسا دے رہا ہے اور نہ جواب دے رہا ہے۔ عورت دور تک شوہر کے پیچھے چلی گئی ہے۔ اچانک وہ پوچھتی ہے، ''کیا ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہو؟'' اب شوہر جواب دیتا ہے، ''ہاں!''۔ اِس ایک ''ہاں'' سے عورت کا دل قرار پکڑ لیتا ہے، سینہ طمانیت سے بھر جاتا ہے اور اضطرابی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ کہتی ہے، ''پھر تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا''۔

یہ عورت حاجرہ ہیں جو ایک نبی ابراہیمؑ کی بیوی اور دوسرے نبی اسماعیلؑ کی ماں ہیں۔ اِن کے اخلاق کا یہ عالم ہے کہ شوہر ویران اور سنسان جگہ پر اِنھیں ایک شیرخوار بچے کے ساتھ چھوڑ کر جا رہا ہے، لیکن اِن کی زبان پر نہ کوئی طعن و تشنیع ہے اور نہ یہ اپنی قسمت کو کوس رہی ہیں۔ حاجرہ کو شوہر پر پورا یقین ہے اور اِنھیں معلوم ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا اور وہ اللہ کے حکم کا پابند ہے۔

شوہر اُنھیں چھوڑ کر چلا گیا۔ حاجرہ اللہ کے بھروسے پر ایک جھاڑی کے سایے تلے بیٹھ جاتی ہیں اور اُنھیں یقینِ کامل ہے کہ اُن کا مالک جو بڑی وسیع قدرت و حکمت والا، بہت زیادہ احسان کرنے والا ہے اور اُن کے حال سے باخبر ہے ...... وہ کسی کا مان نہیں توڑتا، جو اُسے اپنا سمجھے، اُس کے لیے کافی ہو جایا کرتا ہے ......کیا وہ حاجرہ کے اِس مان کو توڑ سکتا تھا؟ ......

اور پھر پیاس کی شدت سے بچہ بلبلا اٹھا ...... حاجرہ پھر بے قرار ہوئیں کہ دلِ مضطرب کو کیسے سنبھالیں جو ممتا کے جذبے سے سرشار ہے ...... پہاڑوں کے چکر کاٹ رہی ہیں ...... کبھی ایک پہاڑی پر ...... کبھی دوسری طرف کی پہاڑی پر ...... شاید ...... شاید کہ کوئی قافلہ ...... یا کوئی شخص ...... کوئی تو نظر آئے۔

اور پھر رب العزت کی مدد آجاتی ہے۔ اچانک پانی ابل پڑا ...... بچے کی پیاس بجھ گئی ...... ماں کے سینے میں ٹھنڈ پڑگئی ...... اور وہ پانی اِتنا مبارک ثابت ہوا کہ اُس کے طفیل ویران جگہ آباد ہوگئی ، رحمتوں اور برکتوں سے تر ہوگئی ...... اور وہ وہی پانی ہے جو پیاس بھی بجھا رہا ہے اور شفا بن کر جسمانی اور روحانی بیماریوں کا علاج بھی کر رہا ہے۔ ویران جگہ آباد ہے ...... اور حاجرہ کو ہزاروں سالوں سے ہر وقت ، ہر گھڑی ہزاروں لوگ خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں ...... پہاڑوں کے درمیان اُسی طرح لوگوں کو دوڑایا جا رہا ہے جس طرح حاجرہ دوڑی تھیں۔ حاجرہ کے اِس عمل کو زندۂ جاوید بنا دیا گیا ہے۔ اپنے اوپر توکل کرنے والوں کو وہ سراپا حق ایسا ہی صلہ دیا کرتا ہے ابراہیمؑ نے توکل کیا ، ننھے بیٹے اور جوان بیوی کو ویرانے میں چھوڑ کر اللہ کے حکم کو پورا کیا تو اللہ جو بلندیاں اور سرفرازیاں عطا کرتا ہے اپنے ماننے والوں کو ، ابراہیمؑ کی دعا کو پورا کر رہا ہے اور ایسی جگہ رزقِ کثیر دے رہا ہے جہاں دور دور تک کوئی پیداوار نہیں ، اپنی نعمتیں اور برکتیں نازل فرما رہا ہے اور عزت عطا کر رہا ہے حاجرہ کو ...... اُس وقت سے لے کر آج تک ...... اور رہتی دنیا تک ...... کیونکہ حاجرہ نے اپنے شوہر کی اطاعت کی ، اپنے شوہر کی

Marfat.com

فرماں بردار رہیں اور اللہ پر توکل کیا ...... تو اللہ کہ جس کے ہاتھ میں ساری عزتیں ہیں ، حاجرہ کو عزت کیوں نہ دیتا؟

آج عورت کو آزادیِ نسواں کے نام پر اپنے شوہر اور باپ کی اطاعت سے روکا جا رہا ہے ، ورغلایا جا رہا ہے اور اُس اعزاز کو جو رب العزت ایک نیک بیوی ، صالح بیٹی ، پاک دامن بہن اور جنتی ماں کو عطا کرتا ہے ، آزادی کے نعرے کی آڑ میں چھینا جا رہا ہے ، دفاتر میں سجی اِن گڑیوں کو فیشن کے بہانے عریاں کیا جا رہا ہے ...... اور یوں خودساختہ جھوٹے معیار کو بڑھانے اور طرزِ زندگی کے نام پر معاش کا بوجھ اُس کے کندھے پر ڈالا جا رہا ہے۔ عورت جان لے کہ معاش کا بوجھ اُس پر نہیں ، اُس کا باپ اُس کا کفیل ہے ...... اُس کا بھائی ، اُس کا شوہر اور بیٹا کفیل ہیں ...... باپ کے ترکے میں اُس کا ایک حصہ ہے ...... شوہر سے مہر کے حصول کی وہ حق دار ہے ......نان نفقے کا ذمہ دار اُس کا شوہر ہے ...... بیٹے کی ہر چیز پر ماں کا حق ہے ،کوئی بھی چیز وہ بغیر اُس سے پوچھے بھی لے تو وہ چوری کے زمرے میں نہیں آتی۔ عورت کو ہر طرف سے عطا کرایا جا رہا ہے اور ہر رشتہ سے وہ فلاح پا رہی ہے ...... پھر وہ عورت سڑکوں پر کیوں نکلے ، جسم کو عریاں کیوں کرے ، اپنے کو پریشان کیوں کرے؟ ہاں! اگر کوئی مجبوری ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اُس کی پہلی ذمہ داری گھر اور بچوں کی ہے اور اُس کے باہر نکلنے سے گھر پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا اور وہ گھر اور نوکری دونوں کو توجہ دے سکتی ہے تو وہ ضرور اپنی خدمات پیش کرے ...... ڈاکٹر کی حیثیت

سے ، استاد کی حیثیت سے ، تاجر کی حیثیت سے یا کسی بھی اور حیثیت سے ......لیکن اللہ کی حدود میں رہتے ہوئے ، طاغوت یعنی شیطانی قوتوں سے بغاوت کرتے ہوئے ...... اور اگر بچوں کی صحیح تربیت کرے اور معاشرے کو اچھا بنانے میں مدد دے تو خود بھی چین سے رہے گی اور معاشرہ بھی پُرسکون ہوگا ......اولاد کی تربیت بھی ایسی کرے کہ وہ اللہ کی بنائی حدود میں رہ کر زندگی کا کاروبار چلائیں ...... تو پھر یہ عورت اعزاز کی مستحق ہے ، افتخار کی مستحق ہے ، اور ایسی ہی عورت کے لیے کہا گیا ہے کہ ماں کے پیروں تلے جنت ہے اور جان لیں کہ اُسی ماں کے پیروں تلے جنت ہے جو اپنی اولاد کو جنت کے راستے کی طرف گام زن کرتی ہے۔ جو عورت خود طاغوت کی غلام ہے ...... جو ماں خود بھی اور اپنی اولاد کو بھی اللہ کے حکم سے نکال کر جہنم کی راہ دکھا رہی ہے ، اُس کے پیروں کے نیچے جنت کہاں ملے گی؟ اِس کے لیے تو طاغوت کی غلامی چھوڑنی پڑے گی اور اللہ الواحد کی پناہ لینی ہوگی۔

اور میں دیکھ رہی ہوں ایک شان دار محل ...... اور اُس میں شان و شوکت سے رہنے والی ملکہ آسیہ کو ......کیوں یہ اپنے محل سے نکال دی گئیں؟ کیوں یہ آج شوہر کی نظروں سے گر گئیں اور دھتکار دی گئیں؟ کیوں اِنھیں ایک چھوٹے تنگ کمرے میں اذیت کی صلیب پر چڑھایا گیا؟ کیوں اِن کے جسم کو نوکِ خنجر سے چھیلا گیا اور کھال اتاری گئی؟...... عالی شان محل کا نظارہ دکھا کر کہا گیا کہ رب الواحد کا انکار کر دو تو یہ محل تمھارا ہے ، ورنہ

Marfat.com

اذیت بھری موت تمھارا مقدر ...... اور عابدہ و زاہدہ آسیہ نے موت کو گلے لگا لیا اور الواحد کو اپنا بنا کر کہا ، ''اے اللہ! میرے لیے تو ہی اپنے قریب جنت میں گھر بنا لے''۔ اِس گھر ، اِس دنیا کے عالی شان اور آرام دہ محل کو میں تیرے نام پر قربان کرتی ہوں''۔ یوں آسیہ نے طاغوت کا انکار کیا اور الواحد کی پناہ میں آ گئیں۔

بے شک مرد عورت کا کفیل ہے ، اُس کو آرام دینے اور خوش رکھنے کا ذمہ دار ہے ......لیکن یہ مرد اگر باپ ، بھائی ، شوہر ، تایا چچا یا کسی بھی حیثیت سے اللہ کے حکم کو جھٹلانے کی بات کرے تو ٹھکرا دو اُس عیش و آرام کو اور ہرگز اُس کی بات نہ مانو اور اپنا نقصان کر لو۔ اللہ رب العزت ہی ہے جو تمھیں فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ بس اللہ ہی کی مانو اور آسیہ کو یاد رکھو ، اُنھیں مثال بنا لو ...... حاجرہ کو مثال بنا لو ، اُن کے طرزِ زندگی کو اپنا لو ، فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اور ایک ماں کی حیثیت سے اولاد کی تربیت ہی تمھاری واحد ذمہ داری ہے۔ اِسے کام سمجھ کے نہ نمٹاؤ ، فرض سمجھ کے نبھاؤ۔ اپنی اولاد کو جہنم کا راستہ مت دکھاؤ ، جنت کے قریب کر دو۔ اور غور سے سنو اُس پگلی کا قصہ جو اپنے بیٹے کو جنت کا راستہ دکھا رہی ، جسے ڈر ہے کہ ماں کی نافرمانی کر کے وہ جہنم میں نہ جھونک دیا جائے۔ سنو سنو! وہ کیا کہہ رہی ہے:

پیپل کی گھنی چھاؤں تلے
گود میں چھوٹا بچہ لیے
میں نے اک پگلی کو دیکھا
ہنستی ہے ، کبھی روتی ہے

سینے سے لگا کر بچے کو
جانے کیا کیا کہتی ہے
جا کے میں نے اُس کے قریں
سنا ، جو کچھ وہ کہتی ہے
کہتی ہے وہ ، میرے ننھے!
ماں کے دل و جان کے ٹکڑے!
آ ، تجھ کو بتاؤں باتیں کئی
تیرے لیے ہیں کچھ نئی
ہو گا جب جوان تو
مسیحا تجھے بناؤں گی میں
دُکھ کی کرے گا تو سب کے دوا
پل پل خوشی سے گاؤں گی میں
ہاتھ میں ہوگی تیرے شفا
اللہ کے نام سے جب دے گا دوا
پھر ایک دن خوشی کا آئے گا
جب لے آؤں گی بہو میں
چھم چھم کرتی اترے گی وہ
میرے گھر کے آنگن میں
دیکھ کے اُس کی موہنی صورت
ہو گا بہت نہال تو

Marfat.com

بھول نہ جانا ماں کو اپنی
پا کے شریکِ حیات تو
ماں تو ہے ہر دم راضی
چاہے غم دے ، چاہے خوشی
ڈر مجھے بس اللہ کا ہے
وہ نہ دے گر تجھے سزا
وہ نہیں بخشتا جہاں میں کسی کو
جو نہیں دیتا درجہ ماں کو
ماں کی محبت ساتھ ہے ہر پل
فرصت ہو یا چاہے قربت
میرے بچے ! یاد رکھنا
ماں جو کرے ہے تجھے نصیحت
ماں سے ہونا نہ غافل
کرے یہی جو ہے عاقل
اللہ کو رکھنا ہے راضی
چاہے دنیا ہو باغی
اللہ کو اپنے راضی کرلو
جنت کا یوں سودا کرلو
جس نے پا لی وہاں کی فلاح
دنیا میں بھی ملے گی جاہ

Marfat.com

رہنا تم کو جہاں ہے سدا
پا لو تم بھی وہاں پہ کوئی جا

اب میں نے جانا وہ پگلی نہیں، بچے سے جو باتیں کرتی ہے:

سراپا آہ و فغاں ہے وہ
بچے کی خیرخواہ ہے وہ
شمعِ الفت روشن کیے
رب سے ہے رشتہ جوڑے ہوئے

اور

بہت سے آنسو آنکھوں سے میری لمبی مدت بہتے رہے
وہ آنسو جو میری آنکھوں سے بہے، میرے عصیاں دھوتے رہے
میں عاصی ہوں، میں عاصی ہوں، یہ آنسو یاد دلاتے رہے

یوں

پگلی کے کرب کو میں نے بھی دل میں اپنے سمو لیا
اور شمعِ الفت کو میں نے بھی دل میں روشن کر لیا

رب سے رشتہ جوڑ لیا

Marfat.com

یہ عریانی اُس سے چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ دیکھو! ...... دیکھو! ...... آدمؑ کو دیکھو! ...... حواؑ کو دیکھو! ...... اُنھیں تو عریاں ہوتے ہی احساس ہو گیا تھا کہ وہ رب کے گناہ گار ہیں اُس کے حکم کو توڑ بیٹھے ہیں ...... تو پھر آج کا یہ باشعور انسان جو پہاڑوں کی چوٹیاں سر کر چکا ہے، سمندر کی تہ میں اتر گیا ہے، جو چاند تک جا پہنچا ہے جو خلا میں اسٹیشن بنا رہا ہے، مریخ تک رسائی حاصل کر رہا ہے، کیا اِسے اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کا احساس نہیں؟ کیا جسموں کی عریانی ہی اِس کے لیے اِس بات کا ثبوت نہیں کہ اللہ ناخوش ہے، غضب میں آ چکا ہے، اِسے عریاں کر چکا ہے؟ اب کس بات کی دیر ہے کہ یہ رب کی طرف پلٹ نہیں رہا؟ توبہ نہیں کر رہا؟

Marfat.com

۶

عورتوں کے حقوق سے متعلق بین الاقوامی کانفرنس میں میری تقریر اور نظم 'پگلی' بہت پسند کی گئیں۔ سوال و جواب کے وقفے میں بہت سے لوگوں نے مجھ سے مختلف سوالات کیے۔ کانفرنس میرے لیے اِس لحاظ سے بے حد سودمند ثابت ہوئی کہ بین الاقوامی سطح پر مختلف ممالک اور مختلف طبقہ ہائے فکر کے لوگوں سے بیک وقت پہلی مرتبہ میرا رابطہ ہوا۔ کچھ لوگ میرے قریب بھی ہوئے اُنھی میں ایک صنعت کار بھی شامل تھے جن کے متعلق میرا اندازہ تھا کہ اُن میں کانفرنس کے حوالے سے کم اور میری ذات سے دلچسپی کا عنصر زیادہ نمایاں تھا۔ اُن کی شائستگی نے مجھے متاثر کیا۔ قرب کی منزلیں بڑھیں تو ہم نے اُنھیں سول میرج (CIVIL MARRIAGE) کی صورت میں تبدیل کر لیا۔ ہسپتال سے استعفا منظور ہوا تو میں پیا کے دیس سدھاری۔

Marfat.com

آج جب ہواؤں نے مجھے اُس زمین پر اتارا جہاں کی ہر چیز اور ہر شخص میرے لیے اجنبی تھا، میرے احساس کا یہ عالم تھا کہ چہارسُو پھیلی سخت سرد اور بے رنگ برف کو دیکھ کر میں اِس خوف سے لرز گئی اور سوچنے لگی کہ اگر یہاں کے بسنے والوں کے دل بھی برف کے مانند سخت اور سرد ہوئے تو کہیں میں اِس طرح نہ بکھر جاؤں کہ سمٹنا چاہوں تو بھی نہ سمٹ سکوں اِنھی سوچوں کے دھارے میں احساسِ تنہائی سے میں بارہا گھبرائی۔ رات کے اندھیرے سورج کی چمک میں چھپتے رہے اور دن رات کے تاریک سایوں میں ڈوبتے رہے۔ میں اپنی پریشاں خیالی میں گم تھی اور جیسے اِس بے کنار بھنور میں پھنس گئی تھی ...... کہ ایک دن نظر اٹھائی تو دیکھا کہ برف کے ننھے ذروں کا ایک جمگھٹ میری کھڑکی کے بند شیشوں پر اپنا سر ٹکرا رہا ہے جانے کس احساس کے لمحے میں کچھ سوچ بنا میں نے شیشے کی اُس دیوار کو وا کر دیا جو محبتوں کے اِس سمندر میں حائل تھی ...... اور جوں ہی یہ دیوار ہٹی، خوشی سے کلکارتے ہوئے اِنھی برف کے ذروں نے میرے گال پر ایک بوسہ دیا۔ وہ بوسہ نہیں، اظہار تھا اپنائیت کا، یگانگی کا ...... یا مجھے ایسا لگا میری سوچ کا انداز بدلا اور راز کھلا کہ زمین پر جمی یہ سخت برف نہیں، نرم پھول کی پنکھڑیاں ہیں جو باہم گلے مل کر میرے وجود کو اِس زمین پر جما رہی ہیں اور مجھے تھام رہی ہیں ...... یہ سرد نہیں، اِن کے اندر پیار کی وہ گرمی ہے جو محسوس ہو تو خوش گوار لگتی ہے، بس بات صرف احساس کی ہے ...... اور اِن کا سفید رنگ پاکیزگی کی علامت ہے اور پاکیزگی ایمان کی حرارت ...... پھر میں نے جانا یہ سرسراتی ہوا، یہ اُڑتے بادل، نیلے آسمان پر چمکتی شفق

Marfat.com

روئی کے گالوں کی طرح اُڑتی برف ، یہ جگمگاتے تارے ، یہ باغوں کے پھول پکار پکار کر مجھ سے کہہ رہے ہیں ، ''ہم غیر نہیں ، تمھارے اپنے ہیں!''...... اور پھر ایک آنسو میری آنکھ سے ٹپکا اور رب کی چاہت میں میرے گالوں پر بہہ گیا اور میں جان گئی کہ یہ میں ہوں جس نے چیزوں کو جان دار اور بے جان میں تقسیم کر رکھا ہے۔ جان دار مَیں اُنھیں کہتی ہوں جو بڑھتی ہیں اور اپنی نسل کو بڑھاتی ہیں اور بے جان اشیا نہ بڑھتی ہیں اور نہ افزائشِ نسل کرتی ہیں اور یہ وہ قانون ہے جو میری دنیا والوں نے بنا رکھا ہے ، لیکن پار سال جب میں نے لکڑی کا ایک خوب صورت فریم خرید کر اپنے کمرے کی دیوار پر لگایا تھا تو وہ کچھ کہتا سنائی دیا تھا اور آج بھی ایک عجیب بے نام سا شور ہے ...... یہ میرے کمرے کی دہلیز میز اور کرسی ، یہ بستر پر بچھی چادر ، روئی کے بنے تکیے ، کھڑکیوں میں ٹنگے یہ پردے ، خاموشی کی زبان سے کچھ کہہ رہے ہیں ، مگر مجھے اِن کی آوازوں کا شعور نہیں ہو رہا حالانکہ اِنھی آوازوں کا میری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ یہ آوازیں میرے جسم کے حواسِ خمسہ میں سے ایک حس ہیں جن کے بغیر میری زندگی پھیکی اور خاموش ہو جائے ، مگر اِن لہروں کی شکل میں سفر کرتی ہوئی آوازوں میں ایک توازن ہے یہ ۲۰ ہرٹز (HERTZ) سے ۲۰ ہزار ہرٹز فریکوئنسی (FREQUENCY) تک ہی میرے کانوں کو سنائی دے سکتی ہیں ، اِس سے زیادہ یا کم کی نہیں ، کیونکہ اگر ہر آواز میرے کانوں تک پہنچ جاتی تو کائنات میں موجود ایک ایک چیز کی آواز سن کر میری زندگی اجیرن ہوجاتی ۔ ہلکی سے ہلکی ہوا کے سرسرانے کی آواز ، خوردبینی جراثیم ، بیکٹیریا اور وائرس کی آوازیں یا آسمان میں ہونے

Marfat.com

والے دھماکے ہر وقت میرے کانوں میں ہلچل مچاتے رہتے۔ اب چاہے تو ۲۰ ہرٹز فریکوئنسی سے کم کی آواز ہو یا ۲۰ ہزار سے ۲ کروڑ ہرٹز فریکیوئنسی کی الٹرا ساؤنڈ کی آواز ہو۔ یہ آوازیں میرے کانوں میں پڑ رہی ہیں، مگر اِن آوازوں کو میرے کان قبول نہیں کر رہے ہیں اور یہ اللہ وحدہٗ لاشریک کا انتہائی کرم ہے کہ اُس نے مجھے غیرضروری آوازوں کو سننے سے بچا رکھا ہے حق تو یہی ہے کہ کائنات میں ہر چیز اللہ کے نام کی مالا جپ رہی ہے اور یہی اللہ کا فرمان ہے۔ جب میرا رُواں رُواں اپنے رب کی بات کو سچ سمجھ رہا ہے تو پھر کیا میرے کمرے کی یہ میز اور کرسی، یہ لکڑی کا فریم، یہ پردے، کیا یہ سب اُنھی چیزوں میں شامل نہیں جو اللہ کی تسبیح کر رہی ہیں؟ بے شک درخت سے لکڑی کاٹ لی گئی، پودے سے روئی اتار لی گئی دھاگے سے کپڑا بنا لیا گیا، لیکن کیا وہ اب اُس خالق کی مخلوق نہ رہے؟ ...... بے شک انسان کے ہاتھوں نے اُنھیں تراش خراش کر اُن میں رنگوں کی آمیزش کر دی مگر کیا انسان کے ہاتھ، اُس کا ذہن اور رنگ اللہ کی مخلوق نہیں؟ میرے کمرے میں لگا لکڑی کا یہ فریم اُسی درخت کی لکڑی سے بنایا گیا ہے جو دنیاداروں کی نظر میں پہلے جان دار تھا اور اب بے جان کہا جانے لگا ...... اور میرے کمرے کی سیمنٹ سے بنی دیوار میں کنکریاں نہیں؟ کیا یہ کنکریاں اٹیم سے نہیں بنیں؟ کیا ایٹم میں الیکٹران نہیں جو اپنے اپنے مخصوص مدار میں اپنے مرکز کے گرد گھوم رہے ہیں؟ اور کیا اٹیم کا مرکز اپنی جگہ پر قائم نہیں؟ اگر یہ سب کچھ ہے تو یقیناً اِن ایٹموں کا تعلق اپنے رب کے ساتھ ابھی تک برقرار ہے، یہ اُس کے حکم کے پابند ہیں اور اُس کی حمد و

Marfat.com

ثنا میں مشغول ہیں ......کیا ہوا اگر درخت سے لکڑی کاٹ لی گئی اور درخت کے پتے زمین پر بکھر گئے اور زمین میں موجود اللہ کی دوسری مخلوق بیکٹیریا نے اُن کے نامیاتی مادّوں کو غیر نامیاتی عناصر میں تبدیل کر دیا۔ مگر کیا اِن غیر نامیاتی عناصر میں ایٹم نہیں اور اِن اٹیموں کے الیکٹران ابھی تک اپنے رب کے حکم سے اپنے اپنے مدار میں نہیں گھوم رہے؟ اب چاہے پودے سے حاصل کی ہوئی روئی سے چادر بن جائے اور میرے تکیے میں سما جائے یا جاڑوں کی سرد راتوں میں لحاف بن کر مجھ سے لپٹ جائے، کیا کوئی ہے جو اِسے ذکرِ اللہ سے روک سکے؟ تو میں نے جانا کہ میرے کمرے کا یہ شور ......شور نہیں، تسبیح ہے، مگر مجھے اِس کا شعور نہیں۔ یہ آوازیں میرے کانوں تک پہنچ تو رہی ہیں لیکن میرے کان اِن کے منہ سے نکلی اللہ کی حمد و ثنا کو سننے سے قاصر ہیں۔ مگر ہاں! یہ اعزاز اُنھی کو ملتا ہے جو اپنے قلب کے گہرے پردوں میں جھانک کر عقل و شعور کی ہر ہر گرہ کو کھول کر قلب کے کانوں سے سنتے ہیں، اور وہی لوگ ہیں کہ جب کنکریاں ہاتھ میں لیں تو ربِ کائنات اُنھیں اُن کنکریوں کی حمد و ثنا کو سنا دیا کرتا ہے۔ اب چاہے تو اُن کنکریوں کی آوازوں کا طولِ موج (WAVE LENGTH) کچھ بھی ہو۔ کائنات کی ایک ایک چیز بولتی بھی ہے، سنتی بھی ہے، سمجھتی بھی ہے اور اللہ کی شان میں رطب اللسان بھی رہتی ہے۔ اور اللہ کا یہ لطف و کرم خاص بندوں پر ہی ہوتا ہے کہ وہ اُنھیں اپنی کسی بھی مخلوق کی آواز سنا دے۔

اپنے شوہر کے ساتھ تھری ریورز (3-RIVERS) کی شاہراہ پر شمال کی جانب بڑھتے ہوئے میں دیکھ رہی ہوں کہ ایک طرف وسیع و عریض گھاس کے

Marfat.com

میدان اور دوسری طرف پہاڑوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جن کی گود میں کہیں کہیں دم سادھے پانی کے بڑے بڑے تالاب سے ہیں۔ پورے ماحول پر ایک عجیب خاموشی سی چھائی ہوئی ہے اور میں ایک طرف کھڑی اِن پہاڑوں کی طرف دیکھ رہی ہوں۔ ایک نامعلوم احساس کی لہریں میرے ذہن کے پردے پر مسلسل دستک دے رہی ہیں اور مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ پہاڑ خاموشی کی زبان میں مجھ سے کچھ کہہ رہے ہوں۔ میں اِن کے قریب ہونے کی کوشش کر رہی ہوں تو میرے اور اِن پہاڑوں کے درمیان ٹھہرا ٹھہرا پانی بھی جیسے کچھ کہنے کو بے تاب ہے۔ میں مضطرب ہوں، ہمہ تن گوش ہوں مگر بے سود ...... کہ میں یہ خاموشی کی زبان سننے سے قاصر ہوں اپنی مجبوری کے سمندر میں گھری اِن ساکت پہاڑوں اور ٹھہرے پانی سے اپنی کم مایگی پر معذرت خواہ ہوں۔

یکایک میری ذہنی نگاہ ایک منظر دیکھتی ہے اور جیسے پورے ماحول پر ایک نغمگی سی چھا گئی۔ پہاڑ، پانی، پرندے، سب مل کر ایک جل ترنگ سا فضا میں بکھیرنے لگے۔ ایک وجدانی پُرسوز آواز نے پورے ماحول پر ایک کیف طاری کر دیا ہے اور اِس پُرکیف ماحول میں بربط کو اپنی رفاقت میں لیے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ہمراہ چلے آرہے ہیں داؤدؑ، وحدہٗ لاشریک کی تعریف کے گیت گاتے۔ پوری فضا داؤدؑ کے دل کش لحن سے مترنم ہوگئی ہے پہاڑ اور پرندے بھی اُن کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر اُسے دُہرا رہے ہیں اور یوں کائنات کی مختلف انواع نے گویا ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر اپنے ایک ہونے کا اعلان کر دیا ہے، دل سے دل اور ضمیر سے ضمیر مل گئے ہیں

Marfat.com

روحوں میں کیف بھر گیا ہے اور کائنات کے ایک ایک جزو پر اپنے کُل کی معرفت کا نشہ چھا گیا ہے۔ پوری کائنات استغراق کے عالم میں ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ یہ اونچے اونچے پہاڑ جن میں سے کچھ پر بلند و بالا درخت اُگے ہوئے ہیں اور کسی پر سبزہ بھی نہیں ہے، کچھ پر کچھ اور رنگ ہیں، کچھ پر کچھ اور ...... اور پہاڑ صرف زمین ہی پر نہیں بلکہ سمندر میں بھی ہیں اور زمینی پہاڑ بنیادی طور پر SEDIMENTS سے بنے ہیں اور سمندری پہاڑ VOLCANIC ROCKS سے ...... اب چاہے یہ بِرِاعظمی پہاڑ انضباطی دباؤ (COMPRESSIONAL FORCES) کے تحت تشکیل پائیں یا سمندری پہاڑ توسیعی دباؤ (EXTENTIONAL FORCES) کے تحت ...... اِن میں ایک بات مشترک ہے کہ زمین میں گہری جڑوں کے ساتھ پھیلے ہوئے ہیں اور میخوں کی طرح گڑے ہوئے ہیں اور مسخر کر دیے گئے ہیں کہ داؤدؑ کے ساتھ مل کر بادشاہِ حقیقی کی تعریف میں رطب اللسان ہوں ...... اور ہوا میں اُڑتے یہ خوب صورت پرندے جن کے حسنِ سماعت کی یہ کیفیت ہے کہ اِن اونچے اونچے پہاڑوں پر کوئی آواز ہو یا سمندر کے اندر یا دور دور تک پھیلی فضا میں دھیمی دھیمی آوازیں ہوں، یہ سب آوازوں کو سن رہے ہیں تو داؤدؑ کی آواز اِن تک کیوں نہ پہنچے اور پھر کیوں نہ وہ اپنے پروں کو سمیٹ کر اُن کے ساتھ نغمہ زن ہوں؟

میں اِن فلک بوس پہاڑوں اور حدِ نگاہ تک گھاس کے میدانوں کے درمیان ششدر کھڑی اپنے دل کی ہر دھڑکن سے اٹھتی اِس صدا کو سن رہی ہوں کہ کیا ''الواحدؔ'' کے سوا کوئی ہے جو داؤدؑ کو اپنی عمدہ نعمتوں کے عطیات

Marfat.com

سے نواز کر اپنے لیے خالص کر رہا ہے۔ اور اگر اُس زبردست ہستی کے سوا دوسرا بادشاہ ہوتا تو کیا وہ پہاڑوں کو منع نہیں کر سکتا تھا کہ داوٗدؑ کے ساتھ اپنی آواز کے سُر نہ ملائیں؟ اور کیا وہ پرندوں کو اِس پُرکیف ماحول سے دور لے جانے پر بھی قادر نہ تھا؟ اگر اُس دوسرے خدا کا حکم نہ پہاڑوں پر چل رہا ہے، نہ پرندوں پر اور نہ داوٗدؑ پر کہ وہ الواحد کی حمد و ثنا سے باز آئیں تو اُس کی یہ بادشاہی کیسی بادشاہی ہے کہ اُسے اپنی رعایا پر کوئی اختیار ہی نہیں؟ پس پاک ہے اُس شہنشاہِ اعظم کی ذات، جو اکیلا حمد کے لائق ہے اور پوری کائنات پر صرف اور صرف اُسی کا حکم چلتا ہے۔ اُس کے حکم کے آگے کسی کو پر مارنے کی بھی مجال نہیں۔ اُس کی مہربانیاں کثیر ہیں اور احسان بے شمار۔

میں جو ابھی تک تھری ریورز کی شاہراہ پر شمال کی جانب پھیلے پہاڑی سلسلوں اور حدِ نگاہ تک گھاس کے میدانوں کے مناظر کو آنکھوں کے ذریعے دل میں اتار کر نگاہ کے منظر میں ڈوب گئی تھی ...... ایک ہلکی سی آواز سے چونک اٹھی۔ نگاہ کا منظر اوجھل ہوا اور میں نے دیکھا کہ میرے شوہر میرے جذبوں کی حدت سے بے پروا گاڑی اسٹارٹ کر کے میرے گاڑی میں بیٹھنے کے منتظر ہیں اور میں جو اِس دل فریب منظر میں غرق ماضی میں کہیں دور نکل گئی تھی، حال میں واپسی کے سفر سے بوجھل اِس منظر کو الوداع کہتے کہتے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

Marfat.com

۷

میری ازدواجی زندگی بہت سے اتار چڑھاؤ سے گزر رہی تھی۔ نئے لوگ نیا ماحول اور نیا طرزِ زندگی ، بہت سے چیلنجز کا میں سامنا کر رہی تھی۔ اور جہاں تک میرے شوہر کا ذکر ہے تو وہ ایک اچھے شوہر تو تھے لیکن اچھے ساتھی نہ بن سکے تھے۔ وہ ایک کامیاب تاجر تھے جو نوٹوں کو تو بے تکان گن سکتے تھے لیکن میرے ریزہ ریزہ دل کو جوڑنے سے قاصر تھے۔ اُن کے نزدیک اُن کی اپنی ذات کے سوا ہر چیز بے مقصد اور غیر اہم تھی۔ وہ اپنی مرضی اور موڈ کے مکمل کنٹرول میں تھے۔ اور میرا حساس دل جو اپنے لیے کم اور دوسروں کے لیے زیادہ دھڑکتا تھا ، شوہر کی خودپسندی اور بے اعتنائی سے کرچی کرچی تھا ، مگر مجھے اُن سے نہ کوئی شکایت تھی نہ گلہ۔ وہ میرا فیصلہ تھے اور میرے بچوں کے باپ۔ اِس حقیقت کو میں نے تسلیم کر لیا تھا کہ

Marfat.com

ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کے باوجود بھی اُن کے ساتھ زندگی گزاری جا سکتی ہے اور اِس میں اُن کے اِس خاص رویے کا بڑا ہاتھ تھا کہ وہ میرے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ اِسے اُن کی مجھ میں عدمِ دلچسپی کا اظہار سمجھا جائے یا اُن کی آزاد فطرت کہ وہ خود بھی نہیں چاہتے تھے کہ اُن کے کسی معاملے میں دخل دیا جائے۔ وہ کہاں جاتے ہیں کیوں جاتے ہیں، کن لوگوں سے ملتے ہیں، کوئی سوال سننے کو وہ تیار تھے نہ مجھ میں پوچھنے کا حوصلہ اور جہاں تک اُن کے بارے میں میرا تجزیہ تھا کہ اِس طرح کے رویے میں اُن کا کچھ ایسا قصور بھی نہ تھا کہ جس ملک میں وہ برسوں سے رہ رہے تھے اُس کا طرزِ معاشرت ہی اِسی طرح کا تھا کہ نہ بیوی باز پُرس کرے اور نہ شوہر۔ دونوں اپنی مرضی سے زندگی گزاریں۔ یوں اِس معاشرے نے میرے شوہر کی آزاد فطرت میں مزید رنگ بھر دیے تھے۔

میں تو تقدیر کے فیصلے کو نبھا رہی تھی اور نبھاتے رہنا چاہتی تھی، لیکن ہمارے آس پاس کچھ لوگ ایسے ضرور ہوا کرتے ہیں جو دوسروں کے گھروں میں آگ لگا کر اپنے ہاتھ سینکتے ہیں، اِنھیں موقع پرست کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی کچھ موقع پرستوں نے میرے شوہر کے اِس رویے سے اِس قدر فائدہ اٹھایا اور ہمدردی کے پردے میں اُنھیں میرے خلاف اِس طرح بھڑکایا کہ مجھ سے بے نیاز رہنے والے، دوستوں میں خوش رہنے والے اور نوٹوں کے وزن اٹھانے میں مگن رہنے والے میرے شوہر اِن سے قریب اور مجھ سے مزید دور ہوتے چلے گئے۔ جب مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ یہ لوگ میرے بدخواہ ہیں اور اِن سے میرے بڑے ہوتے ہوئے بچوں کی نفسیات پر بھی

Marfat.com

برے اثرات پڑ سکتے ہیں تو مجبوراً مجھے ایک قدم اٹھانا پڑا اور میں نے اپنے گھر میں اِن لوگوں کی آمد و رفت پر پابندی عائد کر دینے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ ایسے کئی شواہد مل چکے تھے جن سے اِن کی دشمنی اور حسد کھل کر میرے سامنے آ گیا تھا۔

میرے اِس فیصلے کو کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ذہن نے کئی قلابازیاں کھائیں اور مجھے اپنا وہ دشمن یاد آ گیا جو نہ صرف میرا بلکہ میرے بزرگوں بھی کا دشمن رہا ہے۔ یہ عزازیل ہے جس نے اپنی دشمنی کی ابتدا میرے جدِامجد سے شروع کی تھی اور آج تک بغض و کینہ اور حسد کی آگ بنی نوعِ انسان پر پھینک رہا ہے۔ ابلیس کی انسان دشمنی کی وجہ اُس کا یہ تکبر ہے کہ وہ آگ سے بنایا گیا ہے اور آدمؑ کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔ آگ سے بننے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بلند اور مٹی سے بننے کی وجہ سے آدمؑ کو اپنے سے کم تر سمجھ رہا ہے، مگر وہ اپنی ناقص عقل کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ سکا کہ عناصر کی وجہ سے کوئی بلند و پست نہیں ہوا کرتا بلکہ رب کا حکم مان کر اور اُس کے حکم کے آگے سرِتسلیم خم کرنے سے بلندیاں ملا کرتی ہیں۔ جب رب الواحد حکم دے چکا تھا کہ آدمؑ کو سجدہ کر تو اُسے سمجھ جانا چاہیے تھا کہ معاملہ آگ اور مٹی سے بننے کا نہیں بلکہ اطاعت کا ہے، مگر اُس نے اپنے اختیار کا غلط فائدہ اٹھایا رب کا نافرمان ہوا، اپنے اوپر غرور کیا، آدمؑ سے حسد کیا، سو ربِ ذوالجلال کے اکرام سے نکل گیا اور مردود ٹھہرا۔ یہ کتنی بڑی لعنت ہے جو ابلیس نے اپنے سر لی اور اپنے ہی اختیار سے اطمینانِ قلب اور اُن خوشیوں سے دور ہو گیا جو اُس کا مقدر بن سکتی تھیں۔ وہ آگ سے بنا، حسد کی آگ میں جلا

اور اپنی زندگی کی بھیک مانگ کر قیامت تک کے لیے حسد کی آگ میں جل رہا ہے اور یوں آخرت کے لیے بھی اُس نے آگ کا لباس منتخب کیا۔ یہ تکبر کہ میں آگ سے بنا ہوں ، اُسے آگ ہی کے گہرے سمندر میں لے ڈوبا مگر اُس کا تکبر اور حسد کا جذبہ اب اُس کے ہتھیار بن گئے ہیں اور وہ آدمؑ کی اولاد کو اِنھی دونوں لعنتوں میں مبتلا کر رہا ہے ......کبھی حسن کی تعریف کرکے ، کبھی ذہانت کو سراہ کر ، کبھی بچوں کی قابلیت پر ، کبھی مال و دولت کی فراوانی پر اور کبھی عالی شان گھر اور سازوسامان پر لوگوں کے دلوں کو تعریفوں سے لبھاتا ہے اور آہستہ آہستہ انسان تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تکبر ایسی بیماری ہے جو انسان کے اعصاب معمول پر نہیں رہنے دیتی ، اِس میں پٹھے اینٹھ جاتے ہیں اور اُن میں کرختگی آ جاتی ہے۔ اِس بیماری کی شناخت بھی بہت آسان ہے۔ اِس میں بیمار کی گردن اوپر کی طرف اٹھ جاتی ہے آنکھیں چڑھی رہتی ہیں ، تیوری پر ہلکا سا بل پڑا رہتا ہے اور اُس کی وضع تن جاتی ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ آدمی اکڑا کھڑا ہے ، مگر وہ خود کو بیمار نہیں سمجھتا کیونکہ اگر سمجھتا تو علاج بھی کرتا۔ یہ بیماری اُس کی نفسیات کو بھی بگاڑ دیتی ہے ، اسی لیے وہ خود کو بلند اور دوسروں کو پست سمجھنے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اِس طرح وہ بلند ہو رہا ہے ، حالانکہ تکبر کی وجہ سے اُس کی گردن میں گویا طوق ڈال دیا گیا ہے جس کے وزن سے اُس کی گردن اوپر کو اٹھ کر ذرا پیچھے کی طرف کو ہو گئی ہے اس لیے اُسے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے یہاں تک کہ اپنی پستی بھی نظر نہیں آ رہی۔ اگر وہ جان لے کہ اُس کے غرور کی کوئی وجہ نہیں ، کوئی جواز نہیں ، غرور تو ہوتا ہے ملکیت (BELONGINGS) پر

Marfat.com

اور قبضے (POSSESSION) پر اور اُس کے پاس تو اپنا کچھ بھی نہیں ، سب کچھ مالک کا ہے اور مالک ہر حال میں بالاتر ہے اور عظمت و اکرام والا ہے ، جب چاہے ، جو چیز چاہے واپس لے سکتا ہے کیونکہ نفع و نقصان کا مالک بھی وہی ہے تو انکار کی مجال ہی نہیں ، کیونکہ مالک کے آگے نہ کسی کو بولنے کی مجال ہے نہ قوت ...... اور اگر یہ مغرور شخص مان لے کہ کچھ بھی اُس کا نہیں ، مالک کا عطاکردہ ہے تو اُس کے غرور کی بیماری ختم ہو جائے ، اعصاب کی اینٹھن رک جائے اور پٹھے ڈھیلے پڑجائیں ، یعنی اُن کی کارکردگی متوازن ہو جائے اور وہ اُس حالت میں واپس آجائے جو رب الواحد نے اُس کے لیے پسند کی تھی اور وہ ایک ثمر دار شجر کی طرح جھک جائے اور یوں ...... بلند ہوتا جائے۔

ابلیس کا دوسرا حربہ لوگوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑکانا ہے۔ کبھی وہ کہتا ہے کہ فلاں کے پاس عالی شان گھر ہے ، سازوسامان ہے تو تمھارے پاس کیوں نہیں ، فلاں کے بچے قابل ہیں تو تمھارے کیوں نہ ہوں ، مال و دولت میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرو ، سارا دن اور رات کا آدھا حصہ مال بنانے اور دوسروں سے آگے بڑھنے میں صرف کرو اور اِن مقابلوں میں پورا اترنے کے لیے جھوٹ ، بے ایمانی اور رشوت سے مدد لو اور پھر بھی کچھ حاصل نہ ہو تو چھین لو ، مار ڈالو اور اپنے گھر بھر لو ، یہ تمھارا حق ہے ، اپنا حق وصول کرو۔ یوں ابلیس ایک انسان کو دوسرے انسان سے حسد کرنا سکھا دیتا ہے اور رشتہ داروں تک کو حسد کی آگ میں جلا کر ایک دوسرے سے دور کرتا چلا جاتا ہے اور رب العزت کے حکم سے انسانوں کو باہر نکالتا رہتا ہے

کیونکہ رب العزت قطعِ رحمی سے منع کرتا ہے، آپس میں درگزر کرنے کی نصیحت کرتا ہے اور پیار کی فضا پیدا کرنے کی نصیحت کرنے کا حکم دیتا ہے ابلیس کی چالیں انتہائی غضب ناک ہیں کہ جب صبح کی ملکہ سانس لیتی ہے اور رات کی دُلھن رخصت ہوتی ہے اور اللہ الواحد کو اپنا رب ماننے والے چاہتے ہیں کہ وہ اپنی صبح کا آغاز ربِ عظیم کی نعمتوں پر اُس کا شکر ادا کر کے کریں اور اُسے سجدہ بجا لائیں تو یہی دشمنِ مبین اُنھیں بہلاتا پھسلاتا ہے، کبھی ٹھنڈی خوش گوار ہوا کے لمس کا احساس دلاتا ہے، کبھی دن بھر کی مصروفیات سے ڈرا کر مزید آرام دہ نیند پنکھے، ایرکنڈیشنر کی نعمتوں کی لذتوں میں الجھا کر بہکاتا ہے کہ سو جا، ابھی سو جا۔ یہ انسان کی نفسیات سے واقف ہے، اِسی نفسیات پر وار کر کے جھوٹی ہمدردی کرتا ہے، اپنی خیرخواہی کا یقین دلاتا ہے اور یوں اللہ کو بھلا کر اور اُس کی اطاعت سے نکال کر لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے اور اِس طرح اپنے اُس عہد کو پورا کرتا ہے جو اُس نے خالقِ حقیقی کے ساتھ کیا تھا کہ میں آدمؑ کی اولاد کو بہکا کر دم لوں گا اور خالقِ حقیقی نے یہ کہہ کر اُسے زندگی کی مہلت دے دی تھی کہ جو اُس کے نیک بندے ہوں گے، وہ اِس ابلیس کے فریب میں نہ آئیں گے۔

خالقِ حقیقی ہی کی بات سچی ہے، جبھی تو آدمؑ سے غلطی ہوئی تو نادم ہوئے اور خالق و مالک سے فوراً رجوع کیا، معافی مانگی اور مالک جو نہایت درگزر کرنے والا اور گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، آدمؑ سے خوش ہوا اسی لیے تو اُس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا تھا کہ بھول سے انسان سے غلطی ہو جائے تو معافی میں دیر نہ کرے اور اپنے رب کی طرف پلٹ

Marfat.com

آئے۔ تو ثابت ہوا کہ بلندی پانے ، عزت سے رہنے اور اشرف بننے کے لیے جھکنا پڑتا ہے ، حکم ماننا پڑتا ہے اُس محمود کا جس کی تعریف کے ترانے پوری کائنات گا رہی ہے۔ اُسی محمود کے آگے جھکنے اور اُسی کا فرماں بردار رہنے سے دنیا میں بھی بلندیاں ملتی ہیں ، لہٰذا صرف محمود کے آگے جھکنا ہے کسی اور کے آگے نہیں ، صرف اُسی پر توکل کرنا ہے اور اپنا ہر معاملہ اُسی کے آگے پیش کرنا ہے۔ رب العزت سے بے پروائی کے عمل اور اُس کی حکم عدولی سے انسانوں کے آگے مستقل جھکنا پڑتا ہے۔ انسان کس کس کے آگے جھکے؟ اگر ایک شخص کے آگے فریاد پیش کرے گا تو ہر شخص اُسے اپنے آگے جھکنے پر بالواسطہ یا بلاواسطہ مجبور کرے گا ، اور یوں یہ شخص ذلیل پریشان اور ہراساں دنیا کے سامنے پھرتا رہے گا ، کیونکہ جب دنیا میں رہنا ہے تو دنیا کی ضرورتیں بھی ہیں ، کچھ خواہشیں بھی ہیں اور دنیا والوں سے کچھ کام بھی اٹکے ہوئے ہیں۔ اِس طرح ساری زندگی کبھی ایک مسئلے کے حل کے لیے کسی کے در پر پھر رہا ہے ، کبھی دوسرے مسئلے پر کسی کی خوشامد کر رہا ہے ، کسی اور مسئلے پر منتیں کر رہا ہے ، کبھی سفارش کا سہارا لے رہا ہے ، کبھی رشوت دے رہا ہے ، کہیں جھوٹ سے کام نکال رہا ہے ، کہیں بے ایمانی سے مدد لے رہا ہے اور یوں صرف ابلیس ہی کو خوش کر رہا ہے کیونکہ در در پھرنے سے اللہ الواحد ناخوش ہوتا ہے ، اور جب کوئی اُسے چھوڑ کر دوسروں کو اَن داتا سمجھ لیتا ہے تو پھر رب الواحد اُسے در در گھماتا ہے اور یہ شخص اپنے سر پر بوجھ لاد لیتا ہے اور اپنی کمر توڑتا رہتا ہے اور یوں وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور پھر اُس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس کے

اطراف بکھرے لوگ کیوں اُس کے ہمدرد نہیں، اُس کے کام کیوں نہیں ہو رہے، وہ کیوں مصیبتوں اور پریشانیوں میں گھرا ہوا ہے، مگر وہ بھول جاتا ہے کہ صرف الواحد ہی کو راضی اور خوش رکھنا ہے، اُسی کی اطاعت کرنی ہے اور ہر معاملے میں مدد کے لیے فریاد بھی پہلے اُسی سے کرنی ہے اور جب اللہ لوگوں کو وسیلہ بنا دے تو پھر عقل و فہم سے اُن واسطوں کی طرف دیکھا جائے، اپنے آپ کو گرا کر نہیں، مکمل بھروسا اور توکل صرف الواحد ہی پر کرنا ہوگا تو پھر الواحد اُس کے کام بنائے گا، کیونکہ اگر الواحد خوش ہے تو دنیا خوش ہے اور اگر وہ ناخوش ہے تو دھکے مقدر ہیں، کیونکہ خوشیاں تو بس الواحد ہی کے پاس ہیں۔ اُس کو خوش کرنے سے انسان دراصل اپنے آپ کو خوش کرتا ہے اور اُسے ناخوش کر کے اپنے اوپر بوجھ لاد لیتا ہے۔ ابلیس کو جلاؤ اور اللہ کو خوش کرو۔ ابلیس تو پوری کائنات میں ملعون ہو رہا ہے اور اُس کے چیلے چانٹے جن میں کچھ اُسی کے قبیل کے ہیں اور کچھ اُس سے اشرف۔ جو ابلیس سے اشرف تھے، جب اُنھوں نے اپنے لیے ایک کم تر اور مردود ابلیس کو پسند کیا تو سمجھو پستی کو پسند کیا اور یوں غرور، حسد اور انا میں الجھ کر ابلیس کے انداز اپنا کر اپنے رب سے سرکشی کر رہے ہیں اور ابلیسِ ملعون اُنھیں دھوکے سے آگ کے قریب لے جا رہا ہے جس میں یہ خود بھی جلے گا اور اُنھیں بھی جلوائے گا۔

میں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوں کہ ابلیس کی عقل کتنی سطحی ہے حالانکہ قیامت تک اختیار اُس کے ہاتھ میں ہے، چھن نہیں گیا، لیکن آج تک زندہ ہونے کے باوجود بھی ایک لمحہ اُس کی زندگی میں ایسا نہیں آیا

Marfat.com

جب اُس نے اپنے حسنِ اختیار کو کام میں لاکر اپنے رب سے معافی مانگ لی ہو اور اُس کی طرف رجوع کر لیا ہو جو خطائیں معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ سچ ہے، جو اپنے اختیار کے حسن کو استعمال نہ کرے اور خود ہی ذلت و رسوائی کا سودا کرے تو رب تو بے نیاز ہے، وہ ایسے سرکشوں کو تنہا چھوڑ دیا کرتا ہے۔

میں سخت سردی اور برف کے طوفانی جھکڑوں میں کمرے میں بند آتش دان میں جلتی لکڑیوں کو دیکھتے ہوئے آگ سے بنے ابلیس کے بارے میں سوچ رہی ہوں اور دیکھ رہی ہوں کہ وہ آگ جو اِن لکڑیوں میں لگی ہے، اُس کی حرارت آہستہ آہستہ میرے اندر سرائیت کر رہی ہے اور میرے جسم کے درجۂ حرارت کو بڑھا رہی ہے اور کچھ ہی دیر گزرے گی کہ اُس کی گرمی پاس رکھی لکڑیوں تک بھی پہنچ جائے گی اور پھر اِس حد تک بڑھے گی کہ یہ بھی اُس آگ میں جل کر موت کے گھاٹ اتر جائیں گی اور یوں مجھے اپنے بچوں کے امجد شاہ ولی اللہ کا ایک مقولہ یاد آرہا ہے کہ جس کا مفہوم کچھ اِس طرح ہے کہ کیفیات ایک شخص سے دوسرے شخص میں سرائیت کر جاتی ہیں۔ اِس مقولے کے یاد آتے ہی مجھے وہ لوگ یاد آگئے جن پر میں نے اپنے گھر میں آمد و رفت پر پابندی عائد کر دی تھی ...... وہ لوگ جو بغض و کینہ اور تکبر و انا کی کیفیات کو اپنے اندر سمو کر اپنے اردگرد رہنے والوں کے ہشاش بشاش چہروں کو اپنے حسد کی آگ سے جھلسا رہے تھے، کیونکہ وہ ابلیس کے مکمل گھیرے میں آگئے تھے، اور جو شخص میرے ازلی دشمن کا کہنا مان کر بغض و کینہ اور حسد کی آگ سے بھر جاتا ہے تو رفتہ رفتہ

پورا ماحول اُس کے حسد کی آگ کی گرمی سے تپ اٹھتا ہے۔ عام عناصر کے سلسلے میں قانونِ قدرت ہے کہ زیادہ مالیکیول والے عناصر کم مالیکیول والے عناصر کی طرف اُس وقت تک منتقل ہوتے رہتے ہیں جب تک کہ دونوں طرف مالیکیول کا ارتکاز برابر نہ ہو جائے اور نفوذ (DIFFUSION) کا یہ عمل اپنے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ جائے۔ اِس کی ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ کمرے کے ایک کونے میں اگر خوشبو چھڑکی جائے تو ذرا سی دیر میں پورا کمرہ خوشبو سے مہک اٹھتا ہے۔ کیفیات کے معاملے میں بھی یہی مثال صادق آتی ہے کہ جس شخص میں بغض و کینہ، غصے اور حسد کی کیفیات زیادہ ہوتی ہیں، وہ اُن کا اظہار کر کے دوسرے لوگوں کو بھی یہ شیطانی کیفیات منتقل کر دیتے ہیں اور یوں دو ایک جیسی کیفیات کے حامل افراد اُن دو قطبوں (POLES) کی طرح ہو جاتے ہیں جو ایک دوسرے کو دفع (REPEL) کرتے ہیں۔ اِس ایک جیسی شیطانی کیفیات کے حامل دو اشخاص ایک دوسرے سے کھچ کر دور ہونے لگتے ہیں اور مخالف سمتوں میں گھوم جاتے ہیں جس کے نتیجے میں گھر کے در و دیوار تڑکنے لگتے ہیں۔ مگر اللہ شفیق ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ اُس کے بنائے ہوئے انسان ایک دوسرے سے نفرت کریں، جدا ہو جائیں اور گھروں کے دروازے ایک دوسرے پر بند کر دیں۔ وہ یہی چاہتا ہے کہ اُس کی تمام مخلوق محبتوں اور رشتوں کی ڈور سے بندھی رہے۔ جب وہ اللہ وحدہٗ لاشریک اپنی رحمت سے کسی کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اِن شیطانی کیفیات کے حامل کسی شخص کو اپنی ہستی کی طرف متوجہ کر لیتا ہے ......اور جب یہ شخص مدد کے لیے اللہ کو پکارتا ہے اور اُس سے فریاد کرتا ہے تو النصیر کی مدد آ جاتی ہے

Marfat.com

اور یہ شخص شیطانی حصار سے باہر آنے لگتا ہے اور اِس کے قلب و جگر پر رحمانیت اثرانداز ہونے لگتی ہے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ شخص رحمانیت سے منور ہو جاتا ہے اور پھر کھلے دل سے اپنا محاسبہ کرتا ہے اپنے کمزور پہلوؤں پر نظر ڈالتا ہے، اُنھیں کھنگالتا ہے اور النصیر کی مدد سے یہ جاننا شروع کرتا ہے کہ اگر حسد اور غصے کی آگ ایک فریق میں بھڑک رہی تھی تو میں نے کیوں اثر قبول کیا اور کیوں اللہ قہار سے دور رہا اور کیوں نہ اُس کی مدد فوراً مانگی اور کیوں میں نے بھی غصے کی کیفیات کو اپنے اندر سمو لیا...... اب یہ کھنگلا ہوا شخص رحمانی طرزِ فکر اپنا کر نیکی میں سبقت شروع کرتا ہے اور برائی کو نیکی کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے اور اِس نیکی کی توفیق بھی اللہ ہی سے مانگتا ہے اور برائی سے بچنے کی مدد بھی اور اِس طرح اپنا نفس رب العزت کے حوالے کر کے خود ایک طرف ہو جاتا ہے تو رب العزت بھی اِس کے قلب کو پاک کر کے اپنی روشن نشانیاں دکھاتا ہے اور اپنی قدرت اور بڑائی کا مشاہدہ کراتا ہے۔ اِس طرح یہ شخص جان لیتا ہے کہ اللہ الواحد کا کوئی کام بھی حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں اور یہ کہ اللہ بندوں سے بے نیاز ہے، مگر بندے ہر معاملے میں اُس کے محتاج ہیں۔ اِس رحمانی طرزِ فکر کے ساتھ ہی اِس شخص کے دل سے نفرت کے بادل چھٹنے لگتے ہیں اور دوبارہ نفوذپذیری کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور رحمانی صفات زیادہ سے کم والے شخص کی طرف منتقل ہونا شروع ہوتی ہیں اور جس ماحول اور واسطے سے گزر رہی ہوتی ہیں اُس کو اثرپذیر کرتے ہوئے اُس شخص کی طرف بڑھنے لگتی ہیں جو شیطان صفت انسانوں اور جنات کے حصار میں

Marfat.com

آ گیا تھا اور یوں آہستہ آہستہ دوسرا فریق بھی رحمانی صفات سے اثرپذیر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ قدرت کا کمال ہے کہ شیطانی صفات تو دونوں کے رخ پھیر رہی تھیں ، غصے کی آگ دونوں طرف بھڑک اٹھی تھی اور اِسی لیے دونوں کے رخ پھر گئے تھے ......لیکن رحمانی صفات کی برکت یہ ہے کہ گو ماحول میں رحمانی طرزِ فکر ہے اور دونوں میں ایک دوسرے سے اثرپذیر ہونے کی صلاحیت موجود ہے ، لیکن چونکہ انسانی روح اپنے کُل اللہ کا جزو ہے اور اللہ پوری کائنات پر اپنی رحمت اور محبت کے ساتھ محیط ہے اور روحیں جو اِسی کُل کا جزو ہیں اور محبت کی متلاشی ہیں ، رحمانی صفات کے سرائیت کرتے ہی روحانی تار جڑنے لگے اور فریقین ایک دوسرے کے قریب آنے لگے۔ اب ایک جیسی صفات رکھنے والے قطب ایک دوسرے کو کیسے دفع کر سکتے ہیں جب روحانی تار جڑ گئے ہیں؟ اِس عمل سے محبت کی ایک خوش گوار فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

ابلیسِ ملعون کا کام لوگوں میں جدائی ڈالنا ہے ، غصے اور حسد کی آگ بھڑکانا ہے۔ گھر کی اکائی پر یہ سب سے پہلے حملہ کرتا ہے ، اُس اکائی پر جو رب الواحد نے بنایا تھا اور دو فریقوں کو مقدس رشتوں میں جوڑا تھا۔ ابلیس اِس اکائی کو نفرت کی دیوار کھڑا کر کے مکینوں کو بکھیرتا ہے اور خوش ہوتا ہے ......کیونکہ وہ جانتا ہے کہ گھر ٹوٹنے سے کیسا معاشرہ وجود میں آئے گا ، ٹوٹے گھروں کے بچے کس طرزِ فکر کے ہوں گے ، معاشرے کو کیا ملے گا؟ ہر طرف لوٹ کھسوٹ ، کینہ و بغض ، حسد اور افراتفری ، آگ اور دھواں ...... پھر خون کی ہولی کھیلی جائے گی ، مال و دولت اور لالچ کی فضا پروان

چڑھے گی ، مال و دولت سے شرافت کو تولا جائے گا اور شرافت کی دھجیاں بکھیری جائیں گی۔ چاہے یہ سب انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر ، ''انعام'' یہی ملے گا اور یہی ابلیس کو خوش کرنے کے لیے کافی ہے۔

یوں ابلیس کی مکاری کا مجھے علم ہو جاتا ہے اور مجھے اُن لوگوں سے نفرت نہیں ، ہمدردی ہو جاتی ہے جن پر میں نے اپنے گھر کے دروازے بند کر دیے تھے اور میں سمجھ لیتی ہوں کہ یہ تو خود قابلِ رحم ہیں۔ اِنھیں شیطان نے باؤلا اور ذہنی طور پر مفلوج کر رکھا ہے ، اس لیے یہ نہ تو انصاف کر سکتے ہیں اور نہ محبت۔ یوں اِس ہمدردی اور محبت کے جذبے کے تحت میں نے اپنے گھر کے دروازے اِن کے لیے دوبارہ وا کر دیے۔

Marfat.com

میں تردامن رہا ہوں زندگی بھر
ندامت سے مرا سر جھک رہا ہے
(رضی اختر)

Marfat.com

۸

بابا کے مزاج کی جولانی اور ماں کی ٹھنڈی طبیعت دریا کے دو ایسے کناروں کے مانند تھے جو دور دور تو تھے لیکن پانی کو دریا کی شکل میں سمیٹے ہوئے تھے۔ دلی اور دماغی لحاظ سے فاصلے ہونے کے باوجود بنیادیں اِتنی مضبوط تھیں کہ اِن دونوں میں سے کوئی گھر توڑنے اور بے وفائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا وہ دونوں گھر سنبھالے اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ جب ایک کنارہ ٹوٹ گیا اور دریا کا سارا پانی ٹوٹے کناروں سے بہہ گیا تو بابا اِس خشک دریا کے دوسرے کنارے کی طرح تنہا کھڑے رہ گئے۔

ماں کے گزر جانے اور میری دوری کے باعث بابا کا گھر ختم ہو چکا تھا اور وہ ملازمت سے سبک دوش ہو کر بقیہ زندگی اپنے آبا و اجداد کے ساتھ گزارنے کے لیے اُنھی کے ملک جا بسے تھے۔ وہ ملک جو بابا اور

Marfat.com

ماں کی پہلی نسلیں صدیوں پہلے چھوڑ چکی تھیں۔ بابا کی تنہائی کی فکر اور اپنے آبا کے ملک کے دیکھنے کا اشتیاق بڑھا تو میں نے بابا کے پاس جا کر کچھ عرصہ اُن کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے شوہر کاروباری مصروفیات کے سبب ملک سے باہر تھے اور دونوں بچے امتحانوں کی تیاری کے سلسلے میں ہوسٹل منتقل ہو چکے تھے اور میرے لیے یہ انتہائی مناسب موقع تھا۔

میں بابا کے پاس آگئی ہوں اور آج پہاڑوں سے گھری اِس وادی میں سخت گرمی کی رات میں آنگن میں چوکی پر لیٹی ٹھنڈی ہوا کا لطف لے رہی ہوں۔ میں اپنے خیالوں میں صدیوں پیچھے چلی گئی ہوں اور سوچ رہی ہوں کہ میں کس قدر پناہ کے احساس میں ہوں ...... پناہ کا احساس ...... جو زندگی میں حوصلہ بن کے ابھرتا ہے اور شجاعت کو جنم دیتا ہے ...... چہار سُو صحرا سے گھری یہ وادی مجھے حوصلہ دے رہی ہے کہ تو حفاظت سے ہے دوسرے ملکوں کے لوگوں سے تجھے کوئی خطرہ نہیں۔ میں دوسرے ملکوں کے لیے اجنبی سی ...... پہاڑوں سے گھری اِس وادی میں پناہ کے احساس کے ساتھ سوچ رہی ہوں کہ دوسرے ملکوں کے لوگوں کو مجھ تک پہنچنے کے لیے صحرا کے سمندر کو پار کرنا ہوگا اور اُن عیش پرستوں کو یہ مشکل کب پسند آئے گی! سو میں حفاظت سے ہوں اور یہ سوچ کر دُکھ میں مبتلا ہوں کہ میری وادی کے مشرقی ملک کے لوگ آگ کی پرستش کیوں کر رہے ہیں، چاند، ستاروں سیاروں کو کیوں پوج رہے ہیں، چوری اور رہ زنی میں یہ کیوں مبتلا ہیں اور وہاں کے جابر بادشاہ، وزرا اور امرا عوام کو اپنے آگے جھکنے پر کیوں مجبور

Marfat.com

کر رہے ہیں ، اور عوام بھی کیوں ایک دوسرے سے بغض و حسد میں مبتلا ہو کر آپس میں دست و گریباں ہیں ...... اور مشرقی ملک کے قریبی گوشوں میں اور لوگ بھی ہیں جنھوں نے مٹی اور پتھر سے بت تراش رکھے ہیں اور وہی اِن کے اَن داتا ہیں ، اُنھی سے یہ مانگ رہے ہیں ...... اور انسانوں میں بھی اِنھوں نے تقسیم کر رکھی ہے۔ نیچی ذات کا شخص اونچی ذات والے برہمن کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتا ، کھا پی نہیں سکتا ...... اور اِنھوں نے مندروں میں اپنے اپنے عقیدے کے بت سجا رکھے ہیں ...... درخت ہوں یا حیوان یا شرم گاہیں یہ سب اِن کے معبود ہیں ، اِنھی کو اللہ مان رہے ہیں ...... بےحیائی اور زناکاری کے کچھ اصول بھی اِنھوں نے وضع کر لیے ہیں۔ جو راجا بنا بیٹھا ہے ، وہ حقیقی بہنوں سے بھی شادی کر سکتا ہے۔ رشتوں کے تقدس کا اِنھیں پاس نہیں۔ ہر کوئی اپنی مرضی کا مالک ہے اور طاقت ور اپنی طاقت کے نشے میں مظلوموں کے سر کچل رہا ہے۔

میرے شمال مشرقی ملک میں غلاموں کی کئی قسمیں ہیں جو اِنھوں نے خود بنا رکھی ہیں۔ کچھ تو ایسے ہیں جو ملک سے باہر نہیں لے جائے جا سکتے اور کچھ کو یہ دوسرے ممالک میں لے جا کر منہ مانگی قیمت پر بیچ رہے ہیں اِن غلاموں کے آقاؤں کو حق ہے کہ جب چاہے اِنھیں جانوروں کی طرح ذبح کر ڈالیں ...... اور ایک انسانیت سوز تفریح بھی اِنھوں نے اختراع کر رکھی ہے ...... انسانوں کو قید کر کے شیر کے آگے ڈالا جائے گا اور انسان شیر کی غذا بنے گا۔ ایک خلقت ہے جو اِس تماشے کو دیکھنے جمع ہوئی ہے۔ قیدی شیر سے بچنے کے لیے پنجرے میں اِدھر اُدھر اپنی جان بچاتا پھر رہا ہے اور بھوکا شیر

Marfat.com

اُس پر پل پڑنے کو تیار ہے۔ یہ وہ کھیل ہے جسے دیکھنے کے لیے لوگ جوق در جوق سفر طے کر کے آئے ہیں اور یہ بہت بڑی تفریح ہے جو اُنھیں مہیا کی گئی ہے۔

میری وادی کے شمال مغربی ملک میں بھی ظلم کا بازار گرم ہے۔ یہاں بھی انسان بِک رہے ہیں اور بےشرمی و بےحیائی عام ہے۔ یوں میرے چہار سُو ظلم کی ایک داستان بکھری پڑی ہے، اور میں اِس محفوظ مقام پر، جو صحرا کے قلب میں واقع ہے، اپنی چوکی پر لیٹی سوچ رہی ہوں کہ مجھے پناہ کا احساس کیوں نہ ہو۔ یہ باہر کی دنیا کے درندے جو لوگوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں اور آپس میں دست و گریباں ہیں، میری اِس وادی میں آ ہی نہیں سکتے اور میں اپنی پوری آزادی سے یہاں رہ رہی ہوں۔ باہر کی دنیا میں میری اور میری اِس وادی کی کوئی پہچان نہیں۔

اور یوں ...... میں اِس پُرسکون رات میں ہوا کا لطف لیتے ہوئے ایک معصوم بچی کی دل رُبا باتوں کو سننے لگی جو اپنے باپ کی انگلی تھامے خوشی سے باتیں کرتی ابھی ابھی میرے دروازے کے آگے سے گزری ہے۔ رات کی اِس تاریکی میں یہ شخص کہاں اپنی بچی کو لے کر جا رہا ہے؟ تجسس کے اِس جذبے سے میں بھی اُن کے پیچھے چل پڑی ہوں ...... میں چل رہی ہوں ......آبادی ختم ہوئی باپ نے اپنا ہاتھ بچی کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔ بچی حیرانی سے باپ کی جانب دیکھ رہی ہے ...... ویرانہ ہے، سناٹا ہے ......بچی کا دل کیوں نہ دھڑکے؟ اور یوں بچی کا سفر تمام ہوا۔ باپ نے بچی کو گڑھے میں دھکا دے دیا ...... اینٹوں اور پتھروں سے اُس گڑھے کو بھرنے لگا ...... بابا!

بابا! کی دل خراش چیخیں میرے کانوں کے پردے سے ٹکرا رہی ہیں۔ میرے جسم کا رُواں رُواں اِس شدید ظلم کے احتجاج میں تھرتھر کانپ رہا ہے ...... مگر یہ شخص ...... بچی کی آوازوں سے بےپروا ...... دل پر سختی کا لبادہ اوڑھے ...... خاموشی سے واپس آبادی کی طرف چل پڑا ہے ...... میں اور بھی باپوں کو دیکھ رہی ہوں جن کے ہاتھوں میں ننھی بچیوں کے ہاتھ ہیں اور یہ بھی اُسی سفر کی طرف لے جائی جا رہی ہیں جس کا انجام اِن شقی القلب باپوں سے چھٹکارا ہے ...... میری پناہ کا احساس دم توڑ گیا ...... میں وحشتوں میں گِھر گئی ...... کیوں یہ بچیاں زمین میں زندہ گاڑ دی گئیں؟ ...... کیوں اِن ابھرتی کرنوں کو روشنی پھیلانے سے پہلے ہی ریت کے نیچے دبا دیا گیا؟

میرے پڑوس کی عورت جس کے اور میرے آنگن کی ایک ہی دیوار ہے سسکیوں سے رو رہی ہے۔ اِس کا شوہر مرگیا ہے اور شوہر کے رشتہ داروں نے اِسے زبردستی اپنی بیوی بنا لیا ہے۔ یہ عورت نہ جانے شوہر کے غم کو رو رہی ہے یا نئے شوہر کے ظلم پر! ...... میرے اعصاب پھٹنے لگے۔ رات گہری ہوگئی۔ پہاڑوں پر سناٹا اور بڑھ گیا۔ پڑوس کی عورت بھی غم سے چور سو گئی اور میں بھی نیند کے دباؤ میں ہلکے ہلکے ہلکورے لے رہی ہوں ...... گھوڑوں کی گرد اُڑاتی ٹاپوں سے میں نیند کے خمار سے باہر آتے ہوئے دیکھ رہی ہوں ...... رہ زن ...... رہ زن ...... جو سوتے لوگوں کے گھروں میں گھس رہے ہیں، اُن کا مال و متاع قبضے میں لے رہے ہیں ...... کسی کا خون کر رہے ہیں اور کسی کو اپنا قیدی بنا کر گھوڑوں سے باندھ رہے ہیں۔ یہ اِنھیں اب بیچ دیں گے اور اِن کی نیلامی سے یہ اپنے گھروں کو بھرلیں گے ...... اور یہ بکے ہوئے لوگ، جو شریف اور خاندانی تھے، آج غلام اور باندی بنا لیے گئے اور

Marfat.com

اپنے اپنے آقاؤں کے مظالم میں جکڑ لیے گئے ...... یہ آقا خدمت کے صلے میں اِنھیں ذلت دیں گے۔ اب یہ غلام اپنے مالک کے لیے اپنے جسموں کو بیچیں گے اور اُس کی تجوریاں بھرتے رہیں گے اور یوں یہ جسمانی اور روحانی اذیتوں کے کرب سے روز گزرا کریں گے۔ کوئی ہے! ...... جو اِنھیں غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرائے؟......

میری پناہ کے احساس کی چادر تار تار ہو گئی ...... میں بکھر گئی ...... میرے اپنے ہی محلوں میں خون کی ہولی کھیلی جانے لگی ...... سر دھڑوں سے جدا ہونے لگے۔ اب قبائل کی یہ آگ جانے کب بجھے! باپ ، بیٹا اور اُس کا بیٹا ...... نسل در نسل چل چل کر یہ آگ نہ ٹھنڈی ہوتی ہے اور نہ اِن میں سمجھ پیدا ہوتی ہے۔ یہ کیسی شجاعت ہے جو یہ دکھا رہے ہیں؟ ...... کوئی ہے! ...... جو اِنھیں اِس غارت گری سے روکے؟...... اور یہ جنگ جُو قبیلے ...... اِنھیں خود بھی نہیں معلوم کہ یہ شجاع ہیں یا بزدل ...... ایک طرف چھوٹی چھوٹی باتوں پر تلواریں میان سے نکل آتی ہیں اور دوسری طرف اِن کی توہم پرستی کا یہ عالم کہ اگر ایک عورت کے بچے مر رہے ہیں تو وہ کسی شریف خاندانی آدمی کی لاش کو اپنے پاؤں سے روندے تاکہ اب اُس کے بچے زندہ بچنے لگیں یہ کیسا عقیدہ ہے جو اِن کے دل میں بیٹھ گیا ہے اور اِن کی عقلوں کو بھٹکا گیا ہے؟...... اور کیوں اِنھوں نے خرگوش کی ہڈی کو بچوں کے گلوں میں تعویذ بنا کے لٹکا دیا ہے؟ ...... کیا اس لیے کہ جن خرگوش سے ڈرتے ہیں؟ اور اِس طرح وہ اِن کے بچوں کے پاس نہیں آئیں گے؟ ...... یہ خبر اِنھیں کس نے دی کہ جن خرگوش سے ڈرتے ہیں؟ ...... یقیناً یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو یہی کہتے سنا ہے کہ اور ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ کون ہے جو

انھیں بتائے کہ یہ سب اِن کے ذہنوں کی خرافات ہے، حقیقت سے اِس کا واسطہ نہیں؟ ......

اور اِس شخص کا حال جو لمبے سفر پر جا رہا ہے اور 'رتم' کی ایک شاخ پر سب سے چھپا کر پتلی سی گرہ لگا رہا ہے۔ اِس گرہ سے یہ اپنی بیوی کے کردار کو جاننے میں مدد لے گا۔ گھر واپسی پر اگر یہ گرہ اِسے کھلی ملی تو اِس کو یقین ہو جائے گا کہ اِس کے پیچھے اِس کی بیوی بدکاری کرتی ہے اور یوں اُس عورت کو ظلم کی چکی میں پیسا جائے گا۔ یہ اعتماد کا کون سا انداز ہے جو اِس نے اپنا لیا ہے؟ ...... کیا گھر کی اکائی اِسی طرح بنتی ہے؟ ...... کیا اِس اکائی سے جو معاشرہ تشکیل پائے گا، وہ ایسی ہی بداعتمادی کی فضا سے بنے گا؟ ...... کوئی ہے! ...... جو اِنھیں رشتوں کا تقدس سمجھائے؟ ...... بیوی کا مقام یاد دلائے؟ ......

ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ برا سلوک تو سمجھ میں آ سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اہمیت و عظمت دینے کو تیار نہیں اس لیے اپنی قابلیت صلاحیت اور توانائی کا بے جا استعمال کر رہے ہیں ...... مگر جانوروں سے اُن کا ناروا سلوک چہ معنی دارد؟ ...... اپنے وہم کو تسکین دینے کے لیے بے زبان کو اپنے تشدد کا نشانہ بنا رہے ہیں! بھلا اگر کسی کے پاس ایک ہزار اونٹ ہیں تو یہ تو اُس کی خوش بختی کی نشانی ہے، تو پھر کیوں ایک سانڈ کی دونوں آنکھیں نکال کر اُسے مفلوج بنایا جا رہا ہے؟ ...... کیا صرف اس لیے کہ اُس کے ہزار اونٹ نظرِ بد سے بچ جائیں؟ ...... کوئی ہے! ...... جو اِس بے زبان پر رحم کرنے کی تلقین کرے؟ ...... اور وہ اونٹ ...... جو اپنے مالک کی قبر سے باندھ دیا گیا ہے ...... ہاتھ پاؤں موڑ کر آنکھیں بند کر کے تڑپ تڑپ کر مرنے کے لیے

Marfat.com

قید کر دیا گیا ہے اور اِن کے عقیدے کے مطابق جب مالک قبر سے اٹھے گا تو وہ اِس اونٹ پر سوار ہو جائے گا۔ یہ اِس جانور کی وفا اور خدمت کا کیسا صلہ ہے جو مرنے والے کے رشتہ دار اِسے دے رہے ہیں؟ ......

اور یہ بھیڑ بکریاں ، اونٹ اور دوسرے جانور جنھیں انسان کے لیے مسخر کر دیا گیا کہ اِن کا دودھ پییں ، گوشت کھائیں اور جاڑوں کی سرد راتوں میں اِن کی کھالوں سے ، اِن کے جسم کے بالوں سے اپنے جسموں کو حرارت پہنچائیں ...... مگر ظلم کا یہ کیسا انداز اِنھوں نے اپنا رکھا ہے کہ اِن زندہ جانوروں کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے ہیں؟ ...... کیا یہ انسان ہیں یا کسی درندے کی روح اِن میں سما گئی ہے؟ ...... کوئی ہے! ...... جو اِن جانوروں کو اِس ظلم سے نجات دلائے؟ ......

اور ہاں! گرمی کی لمبی لمبی راتوں میں میدانوں میں مجلسیں جمائے یہ شعر و شاعری کے مقابلے ، یہ نشے میں مست انسان اپنے آبا پر تفاخر سے بھرے اشعار سنا رہے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں یا خودستائی کی برائی نے اِن کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی چھین لی ہے؟ یا شاعری بے کاری اور نشے کی اِس عادت میں مست ہوکر عقل نے اِن کا ساتھ چھوڑ دیا ہے؟ اور جبھی تو اِنھوں نے پتھروں سے کچھ شکلیں بنا رکھی ہیں ...... اُن کے ہاتھ ، پاؤں ، آنکھ ، کان ، منہ بنائے ہیں اور خود اِنھوں نے اپنے ہاتھوں سے اِن بتوں کو اٹھا کر مخصوص جگہوں پر رکھا ہے ...... اور پھر اِنھیں کے آگے سر جھکائے یہ بیٹھ گئے ہیں۔ یہ اِنھیں سے اپنی فریادیں کر رہے ہیں۔ یہ بت اِنھیں کیا دیں گے؟ یہ تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتے ...... اور

Marfat.com

میں سن رہی ہوں کہ اِن بتوں کے کچھ نام بھی اِنھوں گڑھ رکھے ہیں۔ جس بت کو شیر کی شکل میں ڈھالا گیا ہے، وہ یغوث ہے ...... اور گھوڑے کی شکل کا یعوق اور گدھ کی شکل کا نسر ہے ...... نائلہ اور سواع عورت کی شکل کے اور مرد کی شکل کا وَدّ ہے ...... اِس کے علاوہ لات ہے، منات ہے، عوف ہے شمس ہے اور بھی نہ جانے کتنے الٰہ ہیں۔ ہر قبیلے کا اپنا دیوتا ہے ...... اور جب یہ قبائل جنگ کی آگ میں کودیں گے تو یہ ایک دوسرے کے دیوتاؤں کی بھی توہین کریں گے اور اپنی دانست میں یہ ایک دوسرے کو ذہنی اذیت سے دوچار کریں گے ...... مگر یہ بت، یہ دیوتا اپنی بےعزتی پر بھی خاموش رہیں گے! ...... اور ایک بت ہبل بھی ہے جو اِسی جگہ رکھا ہے، جو ابراہیمؑ نے اللہ الواحد کے حکم سے بنایا تھا ...... اِسی کے آگے بیٹھے یہ ازلام کے ذریعے جوا کھیل رہے ہیں ...... یہ ازلام ...... جو جوا کھیلنے کے خاص قسم کے تیر ہیں، اِنھیں کے ذریعے فیصلہ ہوگا کہ کون اپنی پونجی ہار گیا اور کون دوسرے کا مال سمیٹ گیا۔

پہاڑوں سے گھری اِس وادی میں رات کی تنہائی میں مَیں سوچ رہی ہوں کہ یہ وہی بت ہیں ...... یہ وَدّ بھی وہی، یہ سواع بھی وہی، یغوث اور یعوق بھی وہی ہیں جن سے نوحؑ بیزاری کا اعلان کر چکے تھے اور صاف کہہ چکے تھے کہ نہ پوجو اِن بتوں کو اور چھوڑ دو سب کو اور پلٹ آؤ اللہ الواحد کی طرف کہ جس کا کوئی شریک نہیں۔ پتھر، لکڑی کے یہ صنم خود مجبور ہیں تمھارے محتاج ہیں، نہ تمھاری فریادیں سن سکتے ہیں اور نہ تمھارے کام بنا سکتے ہیں۔ اور نوحؑ نے اپنی قوم کو بار بار پکارا، کبھی مجلس میں سمجھایا، کبھی

Marfat.com

تنہائی میں ڈرایا ، کبھی راتوں کے اندھیروں میں ، کبھی دن کے اجالوں میں بلایا ، کبھی علانیہ پکارا ، کبھی چپکے چپکے بتایا کہ چھوڑ دو اِن جھوٹے خداؤں کو اور مان لو بات میری کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے ، وہی کام بناتا ہے دل کی مرادیں بر لاتا ہے ...... مگر قوم نے نوحؑ کو دھتکار دیا ، منہ پھیر لیا کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں کہ کچھ سنائی نہ دے اور نوحؑ کو بہت ستایا ذہنی اذیتوں سے گزارا ...... اور پھر اللہ الواحد نے اپنے رسول نبی کی پکار سن لی تھی اور پاک کر دیا تھا زمین لو نافرمانوں سے اور بھر دی تھی زمین پاک لوگوں سے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں جانتے تھے اور بتوں سے بیزار تھے اور رب الواحد ہی کے گن گاتے تھے اور اُسی کی قدرت کے پرستار تھے ...... پھر آج اِس وادی میں یہ وَدّ ، سواع ، نائلہ ، منات کس نے لا کر رکھ دیے ہیں؟ اور کس نے اِن کے دل میں ڈال دیا ہے کہ ربِ واحد کے ساتھ اِنھیں بھی پوجو؟ ...... اور جب ابراہیمؑ نے بھی پاش پاش کر دیا تھا اِن بتوں کو اور قوم کے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ پوچھ لو اِن بتوں سے اگر یہ تمھیں بتائیں کہ اِنھیں اِس حال میں کس نے پہنچایا ہے۔ یہ وہی دیوتا ہیں جن سے بیزاری کے سبب ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے کی سازش کی گئی اور اِس سازش کو ناکام بنانے والا کوئی اور نہیں ، وہ رب الواحد ہے کہ جس کی قدرت کے سامنے تمام انسانوں اور کائنات کے ذرے ذرے کا اتحاد بھی ، ناکام ہو جایا کرتا ہے ...... اور وہی آگ جسے بےشمار لوگوں نے ہفتوں دہکایا اور ابراہیمؑ کو اُس میں ڈالا ، وہ آگ جو اللہ الواحد کی مخلوق تھی اور اُس کے حکم کی پابند تھی ، اپنے رب کے حکم سے سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئی ......

Marfat.com

سلامتی کے ساتھ ...... نہ اِتنی ٹھنڈی کہ ابراہیمؑ کو ٹھنڈ لگے اور نہ اِتنی گرم کہ ابراہیمؑ کو زک پہنچے۔

جب ابراہیمؑ نے اللہ الواحد کا پیغام پہنچایا دیا تھا کہ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو پھر یہاں پہاڑوں سے گھری صحرا میں بسی میری اِس وادی میں یہ ہبل کیوں رکھ دیا گیا؟ ...... کیوں پتھر کی یہ مورتیاں سجا دی گئیں؟ ...... کیوں جوا کھیلا جانے لگا؟ ...... کیوں اِس گھر کو ناپاک کر دیا گیا؟ ...... اور اللہ الواحد جو ناپاک لوگوں سے اپنی اِس سرزمین کو پاک کرنا چاہتا ہے اور ابھی تک پاک کرتا آیا ہے، عادارم کو ہواؤں کے ذریعے اکھاڑا گیا، لوطؑ کی بستی الٹ دی گئی، قومِ فرعون غرق ہوئی اس لیے کہ ناپاکوں کو زمین سے جانا ہی ہے۔ کیا یہ زندہ مثالیں ثابت نہیں کر رہی ہیں کہ اللہ الواحد کیا چاہتا ہے؟ وہ کیوں طاغوتوں کو سزائیں دیتا رہا اور اپنے ماننے والوں کو بچاتا رہا؟ ...... اور پھر یہی بچے ہوئے لوگ، ایمان والے لوگ کیوں رفتہ رفتہ ناپاک ہونے لگے؟ ...... یہ بھول گئے یعقوبؑ کی وصیت کہ نہ پوجنا اللہ الواحد کے سوا کسی کو اور نہ بنانا اپنا والی اُس کے سوا، اور نہ اپنی حد سے بڑھنا، وہ حد جو اللہ الواحد نے تمھارے لیے مقرر کر دی ہے۔ اور اولادِ یعقوبؑ نے اپنے مرتے باپ سے اقرار کر لیا تھا، عہد کر لیا تھا کہ نہ پوجیں گے ہم اللہ کے سوا کسی کو اور اپنے اِس عہد سے ہم نہ پھریں گے ...... مگر آج تاریکی کے کس سفر پر یہ چل پڑے ہیں؟ کہاں گئی ابراہیمؑ کی نصیحت، یعقوبؑ کی وصیت؟ اور کہاں گیا اسماعیلؑ کا حلم اور عیسیٰؑ کی پاس داری؟ ...... یہ کیسی تاریک آگ ہے جو میری وادی میں سلگ رہی ہے؟ ...... جو شمال میں، جنوب میں، مشرق میں اور مغرب میں پھیلی ہوئی ہے۔ معصوم بچیوں کی دل خراش چیخیں! ...... یہ غلام، یہ

Marfat.com

باندیاں ، یہ جانور ...... ہر کوئی جہالت و تاریکی کی اِس لپیٹ میں ہے۔ گو سورج بھی روشن ہو رہا ہے اور چاند بھی چاندنی بکھیر رہا ہے ، مگر نہ سورج کی روشنی سے کچھ نظر آ رہا ہے اور نہ چاندنی کا سکون ہی دل میں اتر رہا ہے۔ ہر طرف کرب ناک چیخیں ہیں ...... خاموش چیخیں ہیں ...... جانور بھی خاموش زبان سے چیخ رہے ہیں ...... اور ہر وہ انسان بھی جس میں ذرا بھی روحِ سلیم ہے ، مسلسل دُہائی دے رہا ہے ...... کوئی ہے! ......کوئی ہے! ...... جو اِس ناانصافی کے زخموں کو اپنی نرم باتوں سے دھوئے؟ کوئی ہے! ...... جو ظلم سے نجات دلائے دے؟ ......

اور اِن خاموش چیخوں کے کرب کو اپنے دل میں بسائے میں بھی منتظر ہوں کسی نوحؑ کی ...... ابراہیمؑ کی ...... کوئی موسیٰؑ ، کوئی ہارونؑ ، کوئی عیسیٰؑ کوئی ہے؟ ...... میری پوری زمین پر آگ کی تاریک لپٹیں دھواں بن کر پھیل رہی ہیں اور ماحول کے گرد اندھیرے اور دبیز ہو گئے ہیں ...... کوئی ہے! ...... جو میری اِس زمین پر بکھرے اِس دھویں کو اپنی سچی پھونکوں سے اُڑا دے؟ تاریک دنوں کو روشن کر دے؟

اور پہاڑ کی خطرناک چوٹی سے ہاتھ میں پانی کی خالی شدہ چھاگل لیے اتر رہے ہیں محمدؐ ...... جو اسمِ بامسمّٰی ہیں ...... جن کی تعریف کی گئی آسمانوں میں ...... جن کے ترانے گائے گئے زمینوں میں ...... وہی محمدؐ ...... جو اللہ کا پیغام لائے ہیں۔ کیا یہ کوئی نیا پیغام ہے؟......نہیں! ...... یہ وہی پیغام ہے جو نوحؑ دے چکے ، ابراہیمؑ دے چکے ، صالحؑ دے چکے ، شعیبؑ ، یحییٰؑ زکریاؑ ، داؤدؑ ، سلیمانؑ ، موسیٰؑ دے چکے ...... کہ رب الواحد کے سوا کوئی اور

Marfat.com

معبود نہیں ، وہ اکیلا ہی کائنات کا خالق ہے اور مالک ہے ، پتھر کی مورتیاں توڑ دو ، بت جلا دو ...... اِن میں سے نہ کوئی رب کا شریک ہے ، نہ اُس کے قریب ہے ...... وہ وحدہٗ لاشریک ہے ...... جو مانگنا ہے ، اُسی سے مانگو ...... جو فریاد ہے ، اُس کے حضور پیش کرو ، وہ سب کی سنے گا ، سنتا رہا ہے ...... اور مرکر دوبارہ اٹھنے کے لیے تیار ہو جاؤ ، اللہ کے دربار میں حاضری کے لیے تیار ہو جاؤ ، اپنے حساب کے لیے تیار ہو جاؤ ...... توانائی کہاں خرچ کرتے رہے؟ مال کہاں لٹاتے رہے؟ انسانوں اور جانوروں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا؟ کیوں مردہ بادشاہ کے ساتھ اُس کے زندہ خادموں کو اہراموں میں چنا جاتا رہا؟ کیوں قیدیوں کو بھوکے شیر کے آگے ڈالا جاتا رہا؟ کیوں اونٹ کو تڑپاکر مارا جاتا رہا؟ کیوں زندہ انسانوں اور جانوروں کے گوشت کو تراشا جاتا رہا؟ کیوں کم سن اور معصوم لڑکیوں کو زندہ زمین میں دفن کیا جاتا رہا؟ حساب دینا ہوگا ...... اور میرے رسولؐ کی ایک ایک بات سچی ہے بالکل ایسی جیسے ابراہیمؑ و لوطؑ ، اسحاق و یعقوبؑ ، داوٗدؑ و سلیمانؑ اور یوسفؑ سچے تھے ، جیسے موسیٰؑ و ہارونؑ و عیسیٰؑ سچے تھے۔ جو اِن کی شفیق چھاؤں میں آ گیا ، فلاح پا گیا۔

اور میری پہاڑوں سے گھری اِس وادی میں میرے جو لوگ رہتے تھے وہ بہت نایاب تھے ...... وہ اپنی صفات میں یکتا تھے ، شجاعت میں اعلیٰ ایفائے عہد میں پکے تھے ...... جن کی خودداری اور عزتِ نفس انتہا پر تھی ...... جو عظیم تھے ......جن کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ گھر آئے مہمان کی ضیافت خود

Marfat.com

بھوکے رہ کر کرتے تھے ، گھر کا واحد جانور ذبح کر کے مہمانوں کی تواضع کرتے تھے۔ میرے یہ لوگ بہت نایاب تھے۔ نہ شمالی ملکوں میں ، نہ جنوبی حصوں میں ، نہ مشرق کے گوشوں میں اور نہ مغرب کے شہروں میں ایسے نایاب لوگ رہتے تھے۔ میرے یہ نایاب لوگ جن کی صفات پر گردِ راہ اَٹ گئی تھی ، جو غفلت میں بھٹک گئے تھے ، محمدؐ کے اعلان سے اللہ کے پیغام سے اِن کے قلوب پر پڑی دھند چھٹنے لگی ...... آنکھوں سے جالے چھٹنے لگے اور ہر چیز روشن نظر آنے لگی ...... اچھے برے کی تمیز ہونے لگی ...... انسانوں پر روا ظلم ختم ہوگیا ...... جانور پر روا اذیت ترک ہوگئی ...... تاریکی روشنی سے بدل گئی ...... شجر ، حجر ، سمندر ، پہاڑ ، انسان اور حیوان مسکرانے لگے ...... چاند نے تاروں کی انجمن سجا لی ...... ستارے گلِ نسترن بنے ...... گلشن سج گئے ، پھول مہک گئے ...... اور میری پہاڑوں سے گھری اِس وادی میں روح کے پیاسوں نے خوب پیاس بجھالی اور میرے انمول لوگ محمدؐ کے ہم قدم ہو گئے۔ اِن میں بچے بھی ہیں ، بوڑھے بھی ، جوان بھی اور عورتیں بھی ، غلام بھی اور باندیاں بھی ، اور یوں پھر رب الواحد کی پرستش ہونے لگی ، رب کے احکامات مانے جانے لگے اور میری اِس وادی میں بلبل کے نغمے چہکنے لگے ، نور کی چادر پھیل گئی اور تاریکی کے بادل چھٹ گئے اور مجھے پناہ کا احساس ہونے لگا۔ گو میرے اِن نایاب لوگوں کے درمیان کچھ شیطان کے بچاری بھی تھے جو محمدؐ سے نفرت کرتے تھے ، اُنھیں اذیتیں دیتے تھے اور جان لینے پر تل گئے تھے ...... لیکن محمدؐ جو اللہ کے رسول

Marfat.com

تھے ، جن کے باپ ابراہیمؑ تھے ، اپنی تبلیغ پر جمے رہے اور شیطانوں کے ہاتھوں بہائے ہوئے اپنے خون کو دھوتے رہے اور امت کے لیے رحمت بن کر جیتے رہے ...... اور یوں ...... پھر میری وادی کے شمال میں ، جنوب میں مشرق میں اور مغرب میں محمدؐ کی رحمت دراز ہونے لگی۔ اور میں جو اپنی وادی میں ، جو صحرا سے چہار سوٗ گھری تھی اور دنیا میں اجنبی تھی ، آمدِ محمدؐ کی رحمت سے باہر کی دنیا میں پہچانی جانے لگی۔

تو رحمتِ عالم ہے ، تو نورِ ہدایت ہے
سرچشمۂ ایماں ہے ، تصویرِ صداقت ہے

جس نے بھی سنا تجھ کو ، گرویدہ ہوا تیرا
اُمی ہے اگرچہ تو پر بحرِ فصاحت ہے

اسرارِ خداوندی دل میں تیرے پنہاں ہیں
محشر کا بپا ہونا اظہارِ حقیقت ہے

ظلمت کدۂ دنیا معمورِ جہالت تھا
اب علم کا چرچا ہے ، دنیا کو ہدایت ہے

اخترؔ نے تری مدحت لکھی ہے دل و جاں سے
گر تیری سفارش ہو ، تقدیر میں جنت ہے

(رضی اخترؔ)

Marfat.com

غفلت میں کٹی ہے عمرِ رواں ، اِس یاد کی سوزش ہونے دو
چھٹ جائیں گے بادل عصیاں کے، آنکھوں سے تو بارش ہونے دو

(رضی اخترؔ)

۹

میرے واپس جانے کے دن قریب آ گئے تھے ، اور مجھے اِس بات کی خوشی تھی کہ ملازمت سے سبک دوشی کے بعد بابا نے اپنے اسلاف کے ملک منتقل ہونے کا جو فیصلہ کیا تھا ، وہ بالکل صحیح تھا۔ بابا تو اِس فیصلے پر مطمئن تھے ہی ، خود میرا یہ حال تھا کہ اِس شہر کے ایک ایک در و دیوار کو گویا میں آنکھوں کے ذریعے دل میں بسا رہی تھی اِس احساس سے کہ کبھی اِس شہر میں میرے آبا و اجداد چلتے پھرتے رہے تھے ، اِن گلیوں میں گھومتے رہے تھے اور اُن کے گھر بھی یہیں کہیں تھے ، ایک عجیب سی طمانیت مجھے حاصل ہو رہی تھی۔ گو زمانے کی ترقی سے اِن گھروں ، محلوں کے باقیات تو مٹ چکے تھے ، لیکن یہ سرزمین تو وہی تھی ، بدلی نہ تھی۔

آج میری واپسی تھی۔ بابا اپنے ڈرائیور کے ساتھ مجھے ایرپورٹ تک پہنچانے جا رہے تھے۔ ڈرائیور تیزرفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا۔ یکایک ایک زبردست دھماکے کے ساتھ ہماری گاڑی گہرے گڑھے میں گر گئی۔ مجھے ڈرائیور اور بابا کی خبر کیا ہوتی ، میں تو خود اندھیروں میں ڈوب رہی تھی۔ مجھے ہسپتال لے جایا گیا اور ڈاکٹر نے میرے COMA (طویل بے ہوشی) میں چلے جانے کا شبہہ ظاہر کیا۔ میں ہسپتال کے ایک کمرے میں ایسی حالت میں بستر پر پڑی ہوئی ہوں کہ میرے ہاتھوں میں ڈرپ اور سینے پر مشین لگی ہوئی ہے جو میرے دل کی دھڑکنوں کی بے ترتیبی کو نوٹ کر رہی ہے اور میرے منہ پر آکسیجن کا ماسک چڑھا ہے جو سانس لینے میں مجھے مدد دے رہا ہے میں جو بظاہر بےسدھ ہوں ، دنیا سے بےخبر ہوں ، دنیا سے دور اور موت کے قریب ہوں ، سوچ رہی ہوں کہ میری زمین پر جب سے لوگوں نے چلنا پھرنا شروع کیا ، اُن میں میری نئ نسل بڑی عجیب ہے۔ جب معاملہ دنیا کا ہو تو یہ اپنی پرانی نسل پر مکمل اعتبار نہیں کرتی اور خود تجربات کے دور سے گزرنا چاہتی ہے ، اسی لیے یہ خود اپنی عقل کے تحت اور نئے زمانے اور اُس کے تقاضوں کے ساتھ اپنا سفر شروع کرتی ہے اور ایک منزل پر پہنچ کر یہ خود پرانی نسل میں شمار ہونے لگتی ہے۔ اور پھر دوسری نئ نسل ابھرتی ہے جو اپنی عقل اور تجربات کی بھٹی سے گزرتی ہے اور پھر پرانی ہو جاتی ہے دوسری طرف اِس عجیب نسل کا عجب معاملہ یہ ہے کہ جب بات اعتقاد کی آجائے تو یہ اپنی پرانی نسل ہی پر مکمل بھروسا کرتی ہے ، اپنی عقل کا بالکل استعمال نہیں کرتی ، نہ مشاہدات پر توجہ دیتی ہے ، بس اپنے آبا کے بتائے

Marfat.com

ہوئے راستوں پر کورانہ چلتی رہتی ہے۔ اگر اِس نئی نسل کو سوچنے کے لیے کہا جائے تو یہ اپنے آبا کے متعلق کچھ بھی سننے کی برداشت نہیں رکھتی اور یہ کہہ کر دامن چھڑا لیتی ہے کہ ہم اپنے آبا و اجداد کو یہی کرتے دیکھتے آئے ہیں۔ نئی نسل کا دنیا اور اعتقاد کے معاملے میں یہ تضاد نا قابلِ فہم ہے ...... دنیا کے کمانے کے لیے نت نئے طور طریقے اختیار کرے، جدید عہد کے تقاضے پورے کرے، اپنی قوتِ بازو پر بھرپور اعتبار کرے اور آبا سے دلائل مانگے اور اعتقاد کے معاملے میں اپنی ہی عقل کو نیلام کرے اور سمجھے کہ روح کے تقاضے پورے ہوئے! اگر یہ نئی نسل دنیوی معاملات میں اپنی توانائیاں اور وسائل استعمال کر کے اور عقل کو بروئے کار لاکر پرانی نسل کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کائنات کے نئے نئے رازوں سے پردہ اٹھا رہی ہے تو اعتقادی معاملے میں جذباتیت سے کام کیوں لے رہی ہے؟ اِس میں بھی اپنے تعقل اور مشاہدے کا پرانی نسل کے اعتقاد سے تقابل کرے اور شعوری طور پر پرکھے اور فیصلہ کرے کہ اُس کے آبا کی روش کیا تھی، اور آیا غلط تھی یا صحیح چلتے رہے، وہ کیا کیا رسم و رواج اختیار کرتے رہے اور اُن سے خود ہم نئی نسل کو کیا فائدہ اور کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ اگر مکمل دلائل کے ساتھ اُن کے اعتقاد کو قبول یا رد کرے یا اُن کی اصلاح کرے تب تو نئی نسل کو پرانی نسل کے مقابلے میں زیادہ باشعور تصور کیا جاسکتا ہے، برعکس صورت میں نہیں۔

نئی نسل کے لیے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ اُس کی پرانی نسل کے لوگ جو آج گوشہ نشین ہو گئے ہیں، جن کے اعضا کمزور پڑ گئے، جن کی ضروریات

Marfat.com

سمٹ گئی ہیں ، جن کی خواہشات محدود ہو گئی ہیں ، جن کا دنیوی امور میں عمل دخل کم ہو گیا ہے ، جن کی قوتِ سماعت کمزور ہو گئی ہے ، آنکھوں میں دھند چھا گئی ہے ، جو دنیوی لذتوں سے کنارہ کش ہوئے جا رہے ہیں ...... ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا نئی نسل کے لیے یہ کھلی نشانیاں کافی نہیں ہیں؟ یہ عمل ایک دم واقع نہیں ہوا بلکہ بتدریج ہو رہا ہے۔ اور پھر موت کی گھڑی آ پہنچتی ہے ...... اب تو کوئی نہیں جو اُس کی سانس کو لوٹا سکے ...... اُس کو اُس کی انسانیت لوٹا سکے ...... کیونکہ انسان تو بنا ہے جسم اور روح سے ...... اور جب روح نکل گئی ، منتقل ہو گئی تو صرف خالی جسم موجود ہے ، اُس کے اِس جسم پر آنکھیں بھی ہیں ، ناک بھی ، منہ بھی اور زبان بھی ، ہاتھ پاؤں بھی ویسے ہی ہیں ...... لیکن اب یہ جسم تو ہے لیکن انسان نہیں ، اب یہ مردہ جسم ہے ، مورت ہے انسان نہیں۔ جو عنصر اِس جسم کو انسان بنا رہا تھا ، وہ کہاں ہے؟ اُس کی زبان اب بھی موجود ہے لیکن کچھ کہہ نہیں رہی ، اُس کی آنکھیں موجود تو ہیں لیکن دیکھ نہیں رہیں ...... اور یہ محض مورت ...... محض پُتلا ہے ...... مٹی کا پُتلا ...... چند گھنٹوں بعد جو گلنا سڑنا شروع ہو جائے گا۔ یہ مردہ جسم یہ مٹی اپنی اصل مٹی سے ملنے کے لیے بے قرار ہے تاکہ یہ پھر اُنھی عناصر کی ترکیب میں بدل جائے جو مٹی کا خاصہ ہیں۔ اب یہ انسان نہیں ، مٹی ہے اور مٹی کی ایک مخصوص ترکیب سے اِس کا وجود بنا تھا اور اُس وجود میں اِسے زندگی دی گئی تھی ...... اور اِس کا باقی حصہ جو اِسے انسان کا روپ دے رہا تھا ، وہ کیا ہوا؟ وہ کہاں چلا گیا؟ ...... یقیناً کہیں تو گیا ہے کیونکہ میں بھی گواہ ہوں اور یہ نئی نسل بھی گواہ ہے کہ ابھی تھا اور ابھی نہیں ہے ...... اور جو

Marfat.com

تھا اور اب نہیں ہے ، وہ یقیناً کہیں دوسری جگہ چلا گیا ہے ...... وہ منتقل ہو گیا ہے اور منتقل تو کسی دوسری جگہ ہی ہوا جاتا ہے ......تو وہ جگہ کہاں ہے اور کیسی ہے؟ آج یہ شخص منتقل ہوا ، کل کوئی اور منتقل ہوگا اور انتقال کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا تاوقتیکہ روئے زمین سے ہر شخص منتقل نہ ہو جائے اور جس جگہ لوگ منتقل ہو رہے ہیں ، وہی جگہ آباد ہو جائے گی ، کیونکہ آبادی تو لوگوں سے ہوتی ہے۔ پھر میں بھی وہاں ہوں گی جہاں مجھ سے پہلے میرے بہت سے جاننے والے جا چکے جن میں ایسے بھی ہیں جنھیں میں نے پہلے دیکھا تک نہیں نہ کبھی میں اُن سے ملی۔ اور یہ جگہ بڑی زبردست ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں بادشاہِ حقیقی وحدہٗ لاشریک موجود ہے ، اُس کے ساتھ اُس کے فرشتے بھی اُس کے حکم سے صف در صف اُس کے حکم کے منتظر ہیں اور مجھ جیسے انسان وہاں موجود ہیں۔ ہاں! آج میں پھر انسان ہوں ، وہ مٹی کی مورت مجھے لوٹا دی گئی ہے۔ وہی زبان ہے ، وہی ہاتھ ، وہی کان ہیں ، جسم پر کھال بھی وہی موجود ہے ، لیکن آج اِن سب کے بدلے بدلے سے تیور ہیں۔ میری زبان جو زمین پر مسلسل بولتی رہی ، جھوٹ ، سچ ، دوسروں کو ذلیل کرتی رہی ، خود میری بڑائی کا اظہار کرتی رہی ، دوسروں کو طعنے دیتی رہی اُن کے دل دُکھاتی رہی ، اپنے نشتر چلاتی رہی ...... آج یہ خاموش ہے ، آج اِس کے بولنے کی مجال نہیں۔ آج میرے ہاتھوں میں میرا نامۂ اعمال دے دیا گیا ہے۔ جب سے زمین پر میرا تقرر ہوا ، اُس وقت سے لے کر آخر تک تمام اعمال اِس میں درج ہیں۔ اِس میں موجود ہے کہ میں کہاں گئی ، کیا کہا کیا سنا ، کیا کھایا ، کیا پیا ، کیا کیا کیا۔ یہ نامہ میری زندگی کے اوراق کھول

رہا ہے، مگر میری زبان آج کوئی تردید نہیں کر رہی، حالانکہ اِس کا زورِ بیاں تو بہت مشہور تھا۔ یہ عدالت میں جھوٹی گواہی دے کر مجرموں کو بری کراتی اور مظلوموں کو سزا دلواتی رہی تھی، یہ رشتے ناتوں کو توڑتی رہی تھی، آج کے دن کو جھٹلاتی رہی تھی۔ یہی زبان تھی جو کہتی تھی کہ مر گئے تو مٹی ہو گئے، مگر یہ غلط تھی۔ اِس نے مجھے دھوکا دیا۔ میں مٹی نہیں ہوئی۔ میں آج رب الواحد کی عدالت میں کھڑی ہوں، میں زمین سے یہاں منتقل ہو گئی ہوں۔

اور آج ہی کے دن مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ یہی وہ حق ہے جو رب العزت مجھے دنیا میں بتاتا رہا، سمجھاتا رہا، انبیا، رسل اور کتابیں بھیجتا رہا، بتاتا رہا کہ اِن کتابوں سے مدد لے لو، یہ تمھیں بتائیں گی کہ تم زمین پر کیوں اتارے گئے ہو۔ تمام کتابیں جو بھیجی گئیں، سب نے ایک ہی رب الواحد کا پیغام پہنچایا کہ وہی واحد ہے اور وہی احد ہے اور تمھیں بالآخر اُسی کے پاس آنا ہے اور وہی تمھارا خالق ہے، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی اُسے واپس لیتا ہے ...... اور میں آج سمجھ رہی ہوں کہ رب العزت نے پورا نقشہ آج کے دن کا پہلے ہی کھینچ دیا تھا۔ یہ کیسا امتحان ہے جس کا ایک ایک سوال میرے رب نے دنیا ہی میں بتا دیا تھا اور اُن کے جواب بھی ذہنوں میں اچھی طرح بٹھا دیے تھے، لیکن میں نے خود ہی اِس نقشے کو تسلیم نہ کیا کتابیں بدل ڈالیں۔

اور آج میری زبان بھی خاموش ہے اور میرے ہاتھوں کو حکم دے دیا گیا ہے کہ بولو ...... اور یہ میرے ہاتھ جنھیں گویائی مل گئی ہے، کہہ رہے ہیں کہ ہمارے رب نے تو ہمیں طاقت دی تھی اور بتایا تھا کہ اِس کا کہنا مانو

Marfat.com

...... تو ہم نے وہی کیا جو اِس نے ہم سے کہا۔ اِس نے کہا کتاب میں یہ لکھ دے اور یہ مٹا دے ، ہم نے وہی کیا ...... اِس نے کہا کہ فلاں کو قتل کر دے ، ہم نے قتل کر دیا ...... یہی تھا جس نے ہمیں شراب کا پیالہ تھما دیا تو ہم نے اُسے منہ تک لگا دیا تھا۔ ہمارے آقا ! ہمارا کوئی قصور نہیں ، یہ سب قصور اِس کا ہے ، ہم تو تیرے حکم سے اِس کے تابع تھے۔ جو کچھ کیا اِس نے کیا۔

پھر میں نے دیکھا کہ میری زبان اب بھی خاموش ہے۔ وہ اِن ہاتھوں کے سامنے بے بس ہے ، اُس کی لفاظی ختم ہو چکی اور ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے یہ میرے اوپر لگے ہوئے میرے ہاتھوں کا بیان سن رہی ہے۔

یکا یک میرے قدم لڑکھڑائے۔ میں نے اِن کا سہارا لینے کی کوشش کی کیونکہ پوری زندگی میں اِنھی کے بل بوتے پر چلتی رہی ، لیکن ایک حیران کن خاموشی سے یہ بھی گویا ہوئے اور رب الواحد کے سامنے اقرار کر رہے ہیں کہ اُن کا کوئی قصور نہیں ، سارا قصور میرا ہے ...... یہ میں ہی ہوں جو اُنھیں لے کر نائٹ کلبوں میں گئی ، موسیقی کے بے ہنگم شور میں رات بسر کرائی ...... میں نے ہی جگہ جگہ اُنھیں لے جا کر لوگوں کے قتل کیے ...... میں ہی اُنھیں لوگوں کے گھر لے گئی اور اُن سے ڈاکے پڑوائے ...... ہم تو تیرے حکم سے اِس کے تابع تھے۔ جو اِس نے کہا ، ہم نے کیا ...... جہاں یہ لے گئی ، ہم وہاں چلے گئے۔

Marfat.com

میرا رنگ خوف و شرمندگی سے زرد ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ کیا ہوا؟ ...... پہلے زبان نے ساتھ چھوڑا، پھر ہاتھوں نے میرے خلاف بیان دیا اور اب میرے یہ پاؤں میرے خلاف گواہی دینے لگے۔ اِن کے نکھار نے سنوارنے میں مَیں نے کتنا وقت صرف کیا، خوب صورت اور نت نئے نمونوں کے چپلوں کے پیچھے میں کتنی گھومی، کئی کئی گھنٹے بازاروں میں گزارے، بیوٹی سیلون جا جا کر اِن پیروں کو، اِن ہاتھوں کو رگڑوایا اور اِن پر طرح طرح کی کریمیں لگوائیں اور بہت مال اور وقت اِن پر صرف کیا تاکہ یہ اچھے نظر آئیں ...... اور آج ...... آج اِن کا یہ حال ہے کہ یہ میرے ہی خلاف ہو گئے ہیں، اِنھیں میری کوئی پروا نہیں، بلکہ یہ میرے رب کے سامنے ایسی جگہوں کا ذکر بھی کر رہے ہیں جو میں نے اپنے کسی جاننے والے کو بھی نہیں بتائیں اور پھر اِن کا اشارہ میری طرف ہے کہ میں اُنھیں لے کر گئی اور میں سوچ رہی ہوں کہ اِن پاؤں پر، اِن ہاتھوں پر میں نے بے کار اِتنا وقت ضائع کیا اپنا پیسہ برباد کیا، میں نے اِنھیں اپنا سمجھا، مگر آج یہ میرے خلاف جاسوسی کے بیانات پیش کر رہے ہیں!

میری آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ...... اور میری آنکھیں بھی بولنے لگیں ...... "اب یہ مگرمچھ کے آنسو بند کر!"...... اور پھر اپنے حقیقی آقا کے سامنے گویا ہیں کہ اے آقا! تو نے ہمیں اِس کے تابع کر دیا تھا۔ اِس نے ہمیں جو دکھایا، ہم نے دیکھا، مگر اِس نے ہم سے کچھ نہ دیکھا، نہ تیری قدرت کا نظارہ دیکھا، نہ مشاہدہ کیا۔ اِس نے ہمیں دکھایا ...... تو ننگی فلمیں دکھائیں ...... تھرکتے جسم دکھائے ......حسن کے بازار دکھائے۔

Marfat.com

میں ششدر کھڑی اپنے خلاف گواہیاں اکٹھی کر رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں کہ اگر یہ تمام اعضا میرے نہیں تھے تو میں کون ہوں؟ ...... میں کیا ہوں؟ ...... کیونکہ آج میری زبان نے ہاتھوں نے ، پاؤں نے ، میرے جسم کی کھال نے ، میری آنکھوں نے ، میرے کانوں نے ، سب نے مجھ سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا اور میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ میں خود کیا ہوں؟ ...... اور یوں آج میری سمجھ میں آجاتا ہے کہ میرے پاس تو میرا کچھ نہ تھا۔ جو تھا رب کا عطا کردہ تھا ، اسی لیے وہ آج میرے خلاف گواہی دینے میں مشغول ہیں ...... اور میں ...... میں صرف وہ اختیار ہوں جو میرے رب نے مجھے دے کر اشرف بنایا تھا۔ اگر میں نے اپنے حسنِ اختیار سے کام لیا ہوتا ، رب کی اِن تمام نعمتوں کی قدر کی ہوتی اور اِن سے وہی کام لیا ہوتا جن کے لیے میرے رب نے یہ نعمتیں دی تھیں تو آج یہ میرے خلاف گواہی نہ دے رہے ہوتے۔ میں نے اپنے اختیار کے حسن کو نہیں پہچانا ، میں گمراہ ہو گئی تھی تکبر اور انا نے مجھے ڈس لیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ جو کچھ میرے پاس ہے یہ نہ صرف میرا ہے ، بلکہ مجھ میں کوئی خاص خوبی ہے جو یہ مجھے ملے ہیں میں غدار تھی ، ناشکری تھی۔ جو چیز میری نہیں تھی ، اُسے اپنا سمجھ کر خوب برتا اور بھول گئی کہ یہ عطا کسی خاص مقصد کے لیے ہے اور کچھ عرصے کے لیے ہے ...... اور یہ مقصد آج میری سمجھ میں آ گیا ہے کہ ایک دن اُس کے حضور پیش ہونا ہی تھا جو موت اور زندگی پر قادر ہے اور اعمال پیش ہونے ہی تھے۔ اب میں سمجھ گئی ہوں کہ سارا اختیار تو مالک کا تھا۔ اُس نے اِس اختیار

کے ساتھ مجھے زمین پر بھیجا تھا کہ میں اپنے حسنِ اختیار سے چاہوں تو مالک کا شکر بجا لاؤں ، اُس کی تعریف کے گن گاؤں ، اُس کے غضب سے بچوں ...... اور چاہوں تو اُسے نہ مانوں۔ اگر میں نے اُسے اپنا خالق و مالک مان لیا ہوتا تو جہنم کی یہ آگ ، جو منہ کھولے میرے انتظار میں کھڑی ہے ، آج مجھ سے دور کر دی گئی ہوتی اور میں عذاب میں نہ گھر گئی ہوتی ......مگر اِس آگ کا مجھے اِتنا غم نہیں ، غم اِس بات کا ہے کہ آقا ناخوش ہے پہلے جب میں اُسے پکارتی تھی تو وہ فوراً ہی میری طرف متوجہ ہو جایا کرتا تھا ، مدد کے لیے التجا کرتی تو فوراً میری مدد کرتا ...... مگر میں نے جب بھی اُسے پکارا کسی دنیا کے کام کے لیے ، جب بھی مدد مانگی دنیا کے لیے۔ کاش آج کے دن کے لیے مانگ لیا ہوتا تو میں یوں نامراد نہ ہوتی ، یوں دُکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں نہ ڈوبتی! اب وہ میری پکار پر کوئی جواب نہیں دیتا۔ اُس نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ میں چلا رہی ہوں ، اُسے بار بار پکار رہی ہوں۔ میری آہ و بکا ...... میرے وعدے ...... یہ کہ دوبارہ زمین پر بھیج دے ...... اب میں تجھے پہچان گئی ہوں ...... اب میں تیری بات مانوں گی ......مگر میری یہ التجائیں ، یہ وعدے میرے رب کی ناراضی کو دور نہیں کر رہے میں کیا کروں؟ کسے پکاروں؟ کوئی میری مدد کے قابل نہیں۔ کہاں گئے وہ جھوٹے معبود؟ ......جنھیں اپنے گھر کے کمروں میں میں نے سجا رکھا تھا ، جن کے آگے میں صبح و شام نذرانے پیش کرتی رہی تھی ، ہاتھ جوڑے اُنھیں پرنام کرتی رہی تھی۔ آج وہ سب غائب ہیں ، کوئی سامنے آکر مدد نہیں کر رہا

ہے۔ یہ ابلیس تھا جس نے ایک خدا کی عبادت کرنے سے مجھے روکا اور مجھے کئی خدا بنا کر دیے ...... مگر اِتنے خداؤں میں مَیں تنہا ہوں اور صرف ایک ربِ حقیقی ہی کی ذات ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا ہے۔ آج شیطان کے تمام وعدے جھوٹے ہوئے۔

اور دوسری طرف ......میں دیکھ رہی ہوں اپنی اُس دوست کو ......جس نے رب الواحد ہی کو اپنا رب مان لیا تھا ......تو آج رب الواحد کی خاص نظرِ کرم اُس پر پڑ رہی ہے، نعمتوں کے خزانے ہیں جو اُس پر لٹ رہے ہیں۔ یہ اونچے اونچے محل، یہ گھنی چھاؤں، یہ ضیافتیں، یہ سیاحتیں، کیا کیا نعمتیں ہیں جو اُسے مل رہی ہیں! اور میں سوچ رہی ہوں کہ اگر یہ ساری نعمتیں اُس کو ملی رہیں اور میرے رب کی ایک نظرِ کرم مجھے مل جائے تو میں سو مرتبہ مرنے کو تیار ہوں ......لیکن ...... وقت نکل چکا ہے۔ آج امتحان کا نہیں، فیصلے کا دن ہے۔ آج وقت کو پلٹایا نہیں جاسکتا۔ آج میری یہ دوست جو خوشی سے تمتماتے چہرے سے رب الواحد کی طرف دیکھ رہی ہے اِس چہرے کو دیکھنے کے لیے اِس نے بڑی محنتیں کی ہیں ...... جو رب نے چاہا وہ کیا، جو حکم دیا، وہ پورا کیا اور اپنے رب سے ڈرتی ہوئی یہ زندگی کی راہوں پر چلتی رہی ...... اور میں ...... میں نے اُس وقت کا ذرا فائدہ نہ اٹھایا من مانی کی، حالانکہ رب نے کئی بار مجھے سمجھایا، پلٹایا ......مگر میں نہ سمجھی ایک نہ مانی ...... اور اپنے اختیار کا غلط استعمال کرتی کرتی آج اِس مقام پر کھڑی ہوں کہ رب کے دیدار سے بھی محروم اور اُس کی توجہ سے بھی۔ وہ

Marfat.com

شیطان کا سراب تھے ، اور آج میں اُسی کی ساتھی بنی کھڑی ہوں اور وہ مجھ پر ہنس رہا ہے ، خوش ہو رہا ہے کہ اُس کی چال کامیاب ہوئی۔ آج وہ آگ میں جانے کے لیے تیار ہے ، لیکن اکیلا نہیں ، مجھے اپنے ساتھ لے کر جائے گا ، اور میں کھڑی سوچ رہی ہوں کہ کس منہ سے اپنے رب کو پکاروں۔ عرقِ انفعال سے میری پیشانی بھیگ گئی ہے اور مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ میں پیشانی سے پکڑ کر آگ میں جھونک دی جاؤں گی۔ یہ پیشانی ...... آخر پیشانی ہی سے پکڑ کر کیوں آگ میں ڈالا جائے گا؟ ...... میں سوچا کرتی تھی ...... اور یوں ...... آج برسوں پرانا پڑھا ہوا سبق یاد آرہا ہے کہ پیشانی ہی دماغ کا وہ حصہ ہے جس میں عقل ہوتی ہے ، سوچنے سمجھنے کی ، اچھے برے میں امتیاز کرنے کی ...... یہ ذہانت ، یہ سمجھ بوجھ ، یہ فیصلے کرنے کی قدرت جو رب الواحد نے میری پیشانی میں رکھی تھی ، اِس سے میں نے کیا فائدہ اٹھایا؟ ...... اور اسی لیے آج اِسے پکڑا جا رہا ہے کہ جو عقل دی گئی تھی ، وہ کہاں گم کر دی تھی ...... اختیار جس پیشانی میں رکھ دیا گیا تھا کیسے استعمال کیا ...... تو اسی لیے آج میری پیشانی کو سختی سے پکڑ لیا گیا ...... مگر میں مالک کی بے اعتنائی کے غم میں جی رہی ہوں! ...... یہ کیسا روگ ہے جو میری جان کو لگ گیا ہے کہ اِس کے آگے نہ آگ کی کوئی اہمیت ہے اور نہ عذاب کی؟ ...... یہ غم ہی میری زندگی کے لیے کافی ہے کہ محبوبِ حقیقی روٹھ گیا ہے۔

Marfat.com

اور میری یہ نئی نسل ...... کیوں یہ میرے عقیدے پر چل رہی ہے؟ یہ کیوں اُن رسم و رواج کو توڑ نہیں دیتی جنھوں نے مجھے دبا رکھا تھا؟ اللہ الواحد کو اپنی عقل سے کیوں نہیں سمجھ رہی؟ اُس کی بھیجی ہوئی کتابوں، نبیوں اور رسولوں سے مدد کیوں نہیں لے رہی؟ یہ اپنے آپ کو محرومی سے بچانے کا سامان کیوں نہیں کر رہی؟؟

زندگی میں عوارضِ اعضا
موت کی کیفیت سے ملتے ہیں

رازِ ہستی ہے موت میں مخفی
غنچے مٹتے ہیں، پھول کھلتے ہیں

ایک دن آتا ہے کہ ظالم بھی
اپنے کولھو میں خود پستے ہیں

زخمِ کاری زباں کے، خنجر کے
مندمل ہوتے ہیں نہ سلتے ہیں

جب مخالف ہوائیں چلتی ہیں
جان و دل مثلِ برگ ہلتے ہیں

مطلبی دوست، اخترِ ناداں!
وقت پڑنے پہ کب وہ ملتے ہیں

(رضی اختر)

Marfat.com

عدم کی منزل میں وہ کشش ہے، ہر ایک اِس سمت جا رہا ہے
جو تیز رو تھا وہ جا چکا ہے، جو سست رو ہے وہ جا رہا ہے
(رضی اختر)

Marfat.com

۱۰

بروقت اور بہترین علاج اور پیاروں کی دعاؤں سے بالآخر میں موت کو شکست دے کر زندگی کی طرف لوٹ ہی آئی۔ ڈرائیور حادثے میں جاں بحق ہوگیا اور بابا کو کچھ زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں۔ ایک ہی گاڑی میں سوار تین افراد ایک ہی حادثے کا شکار ہوئے لیکن تینوں کی قسمتیں کتنی جدا! ڈرائیور کی سانسیں پوری ہو چکی تھیں، سو اُس نے موت کا مزہ چکھ لیا، بابا کو ہلکی خراشیں دے کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ میری حالت سے اُن کی ذہنی کیفیت ہی بدل چکی تھی۔ پُرشور اور ہنگامہ خیز زندگی گزارنے والے بابا رب سے نہ جانے کیا کیا وعدے کر کے میری زندگی کے بھیک مانگ رہے تھے اور میں COMA (طویل بے ہوشی) کی ایسی حالت میں تھی کہ مجھے موت کے بعد کی زندگی کا ایک منظر دکھا دیا گیا تھا اور موت کے منہ میں جاتے جاتے پھر مجھے

Marfat.com

زندگی کی طرف کھینچ لیا گیا تھا۔ کیا یہ سب بلامصلحت تھا؟ پاک ہے اُس رب کی ذات کہ جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ وہ حادثہ میری زندگی کا رخ بدلنے کا باعث ہوا۔ اُس حادثے سے نہ صرف میں نے بلکہ بابا میرے شوہر اور میرے بچوں نے بھی اُس اللہ الواحد کو اچھی طرح پہچان لیا جو موت و زندگی کا مالک ہے، جس کے ہاتھ میں ساری قدرت ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اُسی اللہ نے میری مشکل کو آسان کیا۔ مجھے موت کے منہ سے نکال کر زندگی میں قدم رکھوایا اور میرے گھر والوں کے دل و دماغ پر اپنی عظمت کا رعب بٹھایا اور یوں اُنھوں نے بھی جان لیا کہ دنیا منزل نہیں، منزل تک پہنچنے کا راستہ ہے اور اگر منزل پر پہنچنا ہے تو راستے کے کانٹے ہٹاتے ہوئے، باڑوں سے بچتے ہوئے، راستے کو صاف کرتے ہوئے چلنا ہوگا، ورنہ دنیا کی اِسی سڑک پر ہوتے کھیل تماشوں میں الجھ کر منزل کو بھول جائیں گے۔ اب میرے گھر والے، میرے پیارے دنیا کی اِس سڑک پر تیزی کے ساتھ منزل کی طرف گام زن ہیں، اور ہم میں سے کوئی بھی جب اِس سڑک پر لگے کسی کانٹے کو ہٹاتا ہے یا کسی گندگی کو صاف کرتا ہے یا مختلف باڑوں سے گزرتا ہے تو ہم ایک دوسرے کو مبارک باد دے کر اُس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے منزل کی طرف بڑھنے میں اُس کو مدد دیتے ہیں۔ یہ گندگیاں اور راہ گزر پر بکھرے کانٹے اِنھیں اٹھانا اور صاف کرنا کوئی ایسی مشکل بات نہیں۔ محبت سے، پیار سے اِنھیں ایک طرف کردو، نہ کسی کی جان لینے کی ضرورت نہ کسی کا خون بہانے کی۔ اگر

مخلصانہ کوششیں جاری رہیں تو محبت کی فضا پیدا ہونے میں کچھ دیر نہیں۔ بس مقصد یہ ہے کہ اپنے خالق و مالک کو پہچان لو، پھر سب کچھ آسان ہے۔ قدم قدم پر اللہ کی یاد کو لے کر چلنا ہے، اُس کی شان کو دیکھتے ہوئے چلنا ہے۔

میری سوچ کا اب بھی وہی عالم ہے کہ ہر چیز میں مجھے اللہ کی شان نظر آتی ہے۔ اور اب میں اپنے نئے گھر میں موجود ہوں اور میرے گھر کے سامنے ایک مسجد ہے جو انگور والی مسجد کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ اِس مسجد کے باہر کے حصے میں بنے کشادہ وضوخانے کی چھت پر انگور کی بیلوں کا جال بنا ہوا ہے جن میں کچھ بیلیں اِتنی چھوٹی ہیں کہ وضوخانے کی چھت تک ہی محدود ہیں اور کچھ اِتنی لمبی کہ چھت سے مسجد کی بیرونی دیواروں تک لٹک آئی ہیں اور ایسا لگتا ہے گویا وہ عقیدت میں بے قرار ہوکر دیواروں کا منہ چوم رہی ہیں۔ بیلیں خواہ چھت پر ہوں یا مسجد کی دیواروں پر لٹک رہی ہوں، انگوروں کے موٹے موٹے گچھوں سے بھری ہوئی ہیں میرے محلے کے بچے ساری ساری دوپہر انگور حاصل کرنے کی دُھن میں لگے رہتے ہیں، لیکن اِن انگوروں پر بندروں کا قبضہ ہے جو دن بھر وضوخانے کی چھت پر بیٹھے رہتے ہیں اور بچوں کو انگوروں کے پاس نہیں آنے دیتے بچوں کو معلوم ہے کہ بندر انسان کی نقل کرتا ہے، اسی لیے یہ کاغذ کی گیندیں بنا بنا کر بندروں کی طرف اچھالتے رہتے ہیں اور جواباً بندر اِنھیں انگور کے خوشے توڑ توڑ کر مارتے رہتے ہیں۔ کاغذ کی گیندوں اور انگوروں کے خوشوں کا یہ دلچسپ کھیل جاری رہتا ہے اور بچے اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں اور

Marfat.com

یوں بندروں کا دل بھی بہلتا رہتا ہے۔ اِسی مسجد کے وسیع صحن میں جامن کا ایک بہت پرانا تناور درخت کھڑا ہے جو اِتنا گھنا ہے کہ صحن کے احاطے کو گھیرے ہوئے ہے ، یوں گرمیوں میں دوپہر سہ پہر کی نمازوں میں نہ پنکھوں کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ کسی چھت کی۔ نمازی جامن کے درخت کے سایے میں آرام وسکون سے نماز ادا کرتے ہیں۔

گرمی کی راتوں میں جب بھی تیز ہوائیں چلتی ہیں اور زور کی بارش ہوتی ہے تو میرے محلے کے بچے بے تابی سے صبح کا انتظار کرتے ہیں اور آنکھ کھلتے ہی مسجد کے صحن میں گری جامنوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ خوشی سے کھلکھلاتے یہ بچے کچی پکی جامنوں سے اپنی اپنی جھولیاں بھرتے ہیں تو دوسری طرف پیڑ کی اونچی ڈال پر کوے ، چڑیاں ، مینا اور کبوتر بھی اپنا اپنا حصہ کھانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ جامن کا درخت جب شرارت سے اپنے پتوں میں چھپے بارش کے قطروں کو ہوا کی مدد سے بچوں کی طرف اچھالتا ہے تو بچوں کی کلکاریاں اور بھی دل پسند لگتی ہیں۔ بندر انگور کی بیلوں پر چڑھے بچوں کو دیکھ کر ہنس دیتے ہیں ، اور کبھی کبھی کوئی بچہ اُن کی طرف جامنیں پھینک دیتا ہے تو خوشی کا ایک سماں چہار سُو بکھر جاتا ہے۔ اللہ الواحد کی کتنی مخلوق اِس وقت انگور والی مسجد میں جمع ہے! انگور کی بیلیں ، اِن پر لگے انگور ...... جامن کا موٹا تنا ، پھیلی شاخیں ، سبز پتے اور جامنیں ...... پرندے ، طوطے ، مینا ، کوے ، کبوتر اور چڑیاں ...... بچے اور بزرگ ...... ہر کوئی اللہ الواحد کا رزق جمع کرنے اور کھانے میں مگن ہے اور فضا میں اِن

مختلف النوع مخلوق کی یک جائی سے ایک نور سا بکھر گیا ہے۔ میں بھی دور کھڑی اِس پُرلطف ماحول کے مزے لے رہی ہوں اور جامن کے درخت کے بالکل نیچے خاموشی سے چلتی چیونٹیوں کی قطار دیکھ رہی ہوں۔ یہ چیونٹیاں خاموشی کے ساتھ صف بنائے جامن کے حصے بٹانے میں اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہی ہیں۔ چیونٹی ، جو اِتنی چھوٹی ہے ، نہ جانے کتنی بار دن میں میرے پاؤں کے نیچے آکر روندی جاتی ہے اور مجھے احساس بھی نہیں ہوتا۔ ہاں! کبھی کبھی جب وہ مجھے کاٹ کر ہلکی سی جلن سے اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہے ، تب میں اُس کے لمس کو پہچانتی ہوں۔ یہ چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں اپنے بلوں سے نکل کر صف در صف انسانوں اور دوسری مخلوق کے ساتھ اللہ الواحد کے اُس رزق میں شامل ہیں جو تیز ہواؤں اور پُرزور بارش کے ذریعے مہیا کیا گیا ہے۔ چیونٹیوں جیسی چھوٹی سی مخلوق کو اِتنا منظّم اللہ الواحد ہی نے بنایا ہے۔ جدیدترین تحقیق یہ کہتی ہے کہ چیونٹیوں میں زندگی گزارنے کا سلیقہ ہے۔ اِن کی بے شمار قسمیں ہیں۔ یہ آپس میں بات چیت کرتی ہیں اور دوسرے کی صحت اور غذا کے متعلق مکمل معلومات رکھتی ہیں تحقیق بتاتی ہے کہ اِن کی آپس کی گفتگو ایک کیمیکل PHEROMONE کے ذریعے ممکن ہے۔ اِسی PHEROMONE کے ذریعے ایک غذا ڈھونڈنے والی چیونٹی جب غذا کی جگہ ڈھونڈ لیتی ہے تو واپسی کے لیے مختصر راستہ استعمال کرتی ہے اور PHEROMONE کا اخراج کرتی ہوئی آتی ہے تاکہ کالونی کی دوسری چیونٹیوں کو معلوم ہو جائے کہ غذا کہاں ہے اور وہاں تک پہنچنے کا مختصرترین راستہ کہاں سے گزرتا ہے۔ دوسری چیونٹیاں اِسی کیمیکل کی خوشبو

Marfat.com

کا پیچھا کرتی ہوئی غذا کی جگہ پہنچ جاتی ہیں اور واپسی پر یہ بھی اِسی کیمیل کا اخراج کرتی رہتی ہیں تاکہ مزید آنے والی چیونٹیاں بھی غذا کی جگہ پہنچ جائیں اسی لیے یہ سب ایک قطار کی شکل میں چلتی ہیں۔ کمال یہ کہ جب غذا ختم ہو جائے تو واپسی پر اِس کیمیل کا اخراج نہیں کرتیں تاکہ خوشبو معدوم ہو جائے اور بقیہ چیونٹیاں جان لیں کہ اُس جگہ غذا ختم ہو گئی ، وہاں جانا بے سود ہوگا۔ اِن کی بات چیت کے طریقے کیا ہی خوب ہیں کہ اگر چیونٹی کچلی جائے تو وہ PHEROMONE کا اِتنا زیادہ اخراج کرتی ہے کہ بقیہ چیونٹی کو اشارہ مل جاتا ہے کہ یہ حملے کے لیے تیار ہو جائیں اور دشمنوں کو دھوکا دینے کے لیے جو پروپیگنڈا کیمیل کا اخراج کرتی ہیں ، وہ دشمنوں کو اِس حد تک سراسیمہ کر دیتا ہے کہ وہ آپس میں کٹ مرتے ہیں اور یہ مزے سے دشمن کے خطرے سے باہر ہو جاتی ہیں۔ ایک چیونٹی اِس بات سے بھی باخبر ہے کہ دوسری چیونٹی کے حصے میں کیا کیا کام ہیں ، اور جب ملکہ چیونٹی ایک مخصوص PHEROMONE بنانا ختم کر دیتی ہے تو بقیہ کو پتا چل جاتا ہے کہ اب نئی ملکہ کی نشو و نما کا وقت آ گیا ہے اور یوں ایک کے بعد دوسری ملکہ چیونٹی کا انتخاب ہوتا رہتا ہے۔ کیا شان ہے اُس ربِ عظیم کی کہ اُس نے انسان کو اپنے علم میں سے جتنا چاہا ، دیا کہ وہ چیونٹی جیسے چھوٹے کیڑوں کے متعلق اِتنی معلومات رکھتا ہے بلکہ اِس سے بھی چھوٹے نظر نہ آنے والے جان داروں ، بیکٹیریا اور وائرس کے بارے میں بھی علم کا خزانہ لیے ہوئے ہے۔ جب اِس انسان کے علم کا یہ عالم ہو تو اُس علیم کے خزانے کا کیا کہنا کہ جس نے انسان کو اِس قابل سمجھا کہ اپنے خزانے سے عطا کیا۔

Marfat.com

اور آج ...... انگور والی مسجد کے صحن میں جامن کے تنے سے لگی چیونٹیوں کی قطار کو دیکھ کر میں سوچ رہی ہوں کہ یہ وہ منظّم طریقہ ہے جو میرے اللہ الواحد نے چیونٹی کو وحی کر دیا ہے ، لیکن یہی الواحد جب اپنے بندے سلیمانؑ کو نوازتا ہے تو اُنھیں چیونٹی کی وہ آوازیں سنا دیتا ہے جو عام آدمی نہیں سن سکتا ...... جبھی تو سلیمانؑ بنی بادشاہ نے ملکہ چیونٹی کو اپنی ماتحت چیونٹیوں سے یہ کہتے سن لیا کہ اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ، کہیں سلیمانؑ کا لشکر تمھیں کچل نہ ڈالے۔ اُس وقت چیونٹی کی گفتگو نہ کسی PHEROMONE کی محتاج رہی اور نہ کسی پروپیگنڈے کیمیل کی۔ اُس کی زبان کو سلیمانؑ سمجھ رہے ہیں۔ اُس کی آواز اُن کے کانوں تک پہنچ رہی ہے۔ سلیمانؑ کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ الواحد نے چیونٹیوں کو بتایا ہے کہ وہ سلیمانؑ ہیں اور اُن کے ساتھ لشکر ہے۔ چیونٹی سلیمانؑ کو پہچانتی ہے ، اُن کا نام جانتی ہے اُن کے عہدے سے واقف ہے ...... اُسے علم ہے کہ اُن کے ساتھ فوج ہے اور سلیمانؑ کا دل اپنے رب ، جو بزرگ و برتر ہے ، کے سامنے جذبۂ تشکر سے معمور ہو جاتا ہے کہ جس نے اُن پر نعمتوں کی اِتنی بارش برسائی ، اور اِس کے ساتھ ہی اپنے رب کی عظمت کا رعب بھی اُن پر طاری ہو جاتا ہے۔ وہ اُس کے آگے جھک جاتے ہیں اور اپنی کم مایگی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اے رب! تو ہی مجھے قابو میں رکھ سکتا ہے کہ میں تیری اِن نعمتوں پر شکر کر سکوں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور مجھے صالحین میں شامل فرمایا''۔

یہ ہے سلیمانؑ کی سعادت مندی! ...... نہ تو نعمت کے پانے پر کوئی فخر ہے اور نہ غرور کی جھلک ، بلکہ اُنھیں اچھی طرح علم ہے کہ جو کچھ ہے آقا کا

Marfat.com

کرم ہے اور صرف چیونٹی ہی کی نہیں ، سلیمانؑ کو دوسرے جانوروں کی بھی بولیاں سمجھنے کی توفیق عطا کی ...... ہواؤں کو اُن کے اختیار میں دیا ...... اور جن جیسی طاقت ور مخلوق جو آگ سے پیدا کی گئی ، جو آسمان تک اُڑ سکتی ہے بھاری بھرکم بوجھ لاد سکتی ہے ، وہ بھی اللہ رب الواحد کے حکم سے سلیمانؑ کی حکم عدولی نہیں کر سکتی ، جو حکم دیں ، پورا کرتی ہے اور اُن کی اجازت کے بغیر وہ ہل بھی نہیں سکتی۔

اور یہ جنّ جن کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ اِنھیں غیب کا علم ہے تو وہ بھلا کیوں نہ معلوم کر سکے کہ جب سلیمانؑ کا انتقال ہوا؟ کیونکہ وہ تو اِسی طرح کھڑے تھے کہ جنّ سمجھ رہے تھے کہ وہ اُنھیں دیکھ رہے ہیں اور اُن کے رعب سے وہ کام جو اُنھیں سونپا گیا تھا ، اُسی کو پورا کرنے میں لگے رہے۔ اور ایک چھوٹے سے ''ناقابلِ قدر'' کیڑے دیمک کو اللہ الواحد نے حکم دیا کہ سلیمانؑ جو عصا پکڑے کھڑے ہیں ، اُسے ختم کر دو تو وہ اُس کے حکم سے سلیمانؑ کے عصا کو کھا گئی ...... وہ دیمک جو اندھی ہوتی ہے ، مگر جب گھر بنائے تو اِتنا مکمل کہ تہ خانے سے لے کر تنگ راہ داریاں کشادہ ہال اور اُن میں ہوا کی گردش کا مکمل انتظام کرتی ہے ...... وہ دیمک جو خود اِتنے چھوٹے جسم کے باوجود کئی میٹر اونچے گھر بنا لیتی ہے ...... اور اُس کے اندر سے ایک خامرہ (ENZYME) نکلتا ہے جو سیلولوز (CELLULOSE) کو ہضم کرتا ہے۔ اِسی دیمک کو آقا الواحد نے حکم دیا کہ سلیمانؑ کے عصا کو ہضم کر۔ عصا جس کی لکڑی کی بیرونی تہ سیلولوز سے بنی ہے ، جب دیمک نے اپنے خامرے سیلولیز (CELLULASE) کی مدد سے لکڑی کی سیلولوز کو کھانا شروع کیا تو عصا کھوکھلا ہو گیا اور اُس کی سختی ختم ہو گئی اور سلیمانؑ جو اُس عصا

Marfat.com

کے سہارے کھڑے تھے، گر گئے۔ پھر اِن جنوں کو معلوم ہوا کہ سلیمانؑ تو ختم ہو چکے۔ ایک چھوٹے ناقابلِ قدر کیڑے کے ذریعے اِن طاقت ور پرواز کرنے والے جنوں کو سلیمانؑ کی موت کی خبر دی گئی۔ یہ سب اللہ الواحد کی شانِ کریمی ہے کہ انسان کے لیے جن جیسی مخلوق مسخر کر دے اور دیمک جیسے چھوٹے کیڑے سے بھی بڑا کام لے لے۔ کائنات کی کوئی شے عبث پیدا نہیں کی گئی۔ ہر چیز میں ایک مصلحت ہے، ہر چیز کا ایک فرض ہے، ایک ذمہ داری ہے اور ضرورت ہے۔ اور یہ ساری مخلوق میرے تفکر کی راہیں کھولنے میں بڑی مددگار ہے۔

Marfat.com

شفق پھوٹی، دریچے کھل گئے صبحِ روشن کے
نسیمِ جاں فزا گلشن میں کلیوں کو نکھار آئی
سنانے نغمۂ دل کش بتانِ رازِ ہستی کو
عروسِ زندگانی لے کے ہاتھوں میں ستار آئی

(رضی اختر)

Marfat.com

۱۱

میرا گھر، جس کے سامنے انگور والی مسجد ہے، بہت کشادہ ہے اور اِس سے زیادہ کشادہ میرے بابا، میرے شوہر اور میرے دونوں بچوں کا دل ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملنے جلنے والے جب بھی کسی کام سے ہمارے شہر آتے ہیں تو قیام میرے گھر پر ہی کرتے ہیں اور میرے گھر والے بہت خوش دلی سے اُن کا استقبال کرتے ہیں۔ مہمان کبھی بھی ہم پر بوجھ نہیں بنے۔ نہ ہم میں سے کوئی اُن کے امور میں دخل اندازی کرتا ہے اور نہ ہمارا کوئی کام اُن کی وجہ سے متاثر ہوتا ہے۔ اِس کی وجہ میرا وہ انتظام ہے جو میں نے مہمانوں کے لیے کیا ہوا ہے۔ میرے گھر میں بنی انیکسی (ANNEXE) تمام ضروری سامان سے آراستہ ہے اور ایک نوکر مہمانوں کے کھانے پینے اور آرام کا پورا خیال رکھتا ہے۔ ایک گاڑی اور ڈرائیور

صرف مہمانوں ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ یہ وہی طریقہ ہے جو میں نے ماں سے سیکھا تھا اور ماں کی یادوں کو زندہ رکھنے اور بابا کو خوش رکھنے کے لیے میں نے ماں کی اِس روایت کو برقرار رکھا ہے۔ میرے بابا، جو ہمیشہ بہت سوشل رہے ہیں، مہمانوں کی آمد سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

انیکسی سے ملحقہ بیرونی برآمدے میں پڑی کرسیوں پر مہمان اکثر بابا کے ساتھ شام کی چائے پیتے ہیں اور میرے گھر کے وسیع چمن کی دل کشی سے محظوظ ہوتے ہیں۔ میرے گھر کا چمن جس میں کچھ ہی عرصہ پہلے گرمیوں کی ایک خوش گوار صبح میں مَیں نے رات کی رانی، موگرا، چنبیلی اور کچھ دوسرے پھولوں کے پودے لگائے تھے، آج زمین کی زرخیز مٹی، ہوا، پانی دھوپ اور مالی کی مناسب دیکھ بھال سے اِن کی کونپلیں زمین سے پھوٹ پڑی ہیں۔ رنگ برنگی پھولوں اور اِن کی بھینی بھینی خوشبو سے میرا چمن مہک اٹھا ہے۔ میں اِس چمن کی معطر فضا کو اپنی سانسوں میں اتارے ہوئے سوچ رہی ہوں کہ اِن پھولوں کے اِن پودوں کے اُگنے میں اللہ الواحد کی کتنی مخلوق اکٹھی ہوئی ہے جس نے اُس کے حکم سے ایک خاندان کی طرح مل کر اِن پودوں کو سینچا ہے۔ مٹی کو زرخیزی بھی اللہ نے عطا کی، پانی بھی اللہ کا بنایا ہوا ہے، ہوا بھی اُس کے حکم سے مناسبت کے ساتھ چلتی رہی اور دھوپ بھی اُتنی ہی شدت کے ساتھ پودوں پر پڑتی رہی جتنی شدت اِن پودوں کے اُگنے میں درکار تھی۔ دن اور رات کے بدلتے اوقات بھی اِن کے اُگنے میں تعاون کرتے رہے۔ واضح رہے کہ سورج کی روشنی میں پودے اپنی غذا تیار کرتے ہیں اور فضا میں آکسیجن خارج کرتے ہیں اور

Marfat.com

رات کی تاریکی میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اخراج کرکے اپنے جسم کو نہ صرف زہریلے اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں بلکہ فضا میں آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کے سائیکل کو بھی متوازن رکھتے ہیں۔ آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کا یہ سائیکل جو تمام جان داروں کے لیے ناگزیر ہے، اِس کے ذرا سے بگاڑ سے پورے کرۂ ارض پر زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ میرا مالی جس کے لیے اللہ نے مجھے اِس قابل بنایا کہ اُس کو روزگار فراہم کرسکوں اِس روزگار کو رزقِ حلال سمجھ کر محنت اور دیانت داری سے میرے چمن کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ اللہ الواحد نے اِس تمام مخلوق کو اکٹھا کیا اور حالات کو سازگار کیا جس کے نتیجے میں آج میرے چمن میں بہار کا سماں ہے، ہر قدم پر بیلا مہک رہا ہے، موتیا چٹک رہا ہے اور نسیمِ سحری میرے چمن کے غنچوں کو پھول بناتی ہر سمت چل رہی ہے۔ میں چمن میں کھڑی سوچ رہی ہوں کہ بھلا الواحد کی ذات کے سوا کون ہوسکتا ہے جو بیک وقت اِن تمام عناصر کو یک جا کر کے اِن کونپلوں، پھولوں، پودوں، سبزیوں، درختوں اور پھلوں کو اُگنے کا حکم دیتا ہے اور پھولوں میں نت نئے رنگ بھرتا ہے اور اِن میں طرح طرح کی خوشبوئیں رکھتا ہے۔ کیا یہ خوشبو کچھ کہتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی؟ یہ خوشبو جو پھولوں اور پھلوں کے وجود میں سرائیت کی ہوئی تھی، مجھے اُس وقت تک اِس کا علم نہ تھا جب تک کہ پھول کِھل نہیں گیا اور پھل پک نہیں گیا۔ پھول کے اندر خوشبو بھی چھپی تھی اور اِس کی خوب صورتی بھی حجاب میں تھی لیکن غنچے سے پھول بنتے ہی اِس کا حسن بھی ظاہر، اِس کا رنگ بھی ظاہر اور اِس کی خوشبو بھی ظاہر۔ یہ اللہ الواحد ہی کی

ذات ہے جس نے اِس منہ بند کلی کو کھلنے کا حکم دیا اپنے مخصوص رنگ ، حسن اور خوشبو کے ساتھ۔ ہر پھول اپنی مخصوص مہک لیے ہوئے ہے اور ہر پھل کا اپنا رنگ روپ ہے ، اپنا مخصوص ذائقہ ہے۔ ہر سبزی کی الگ صورت ہے الگ ذائقہ اور الگ فائدے ہیں۔ ہر مخلوق کی اپنی مہک ہے۔ بلی کے نوزائیدہ بچے اپنی بند آنکھوں سے اپنی ماں کو اُس کی خوشبو سے پہچانتے ہیں ہر مخلوق اپنی اور اپنی نوع کی ذات کو بھی پہچانتی ہے اور دیگر انواع کو بھی خالق ہی کُل ہے ، باقی جو کچھ ہے اُس کی مخلوق ہے اور اُس کا جزو ہے اِس طرح تمام مخلوق کا رابطہ اپنے خالق کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ خالق یا تو اُن کے دل میں بسا ہوا ہے یا روح میں چھپا ہوا ہے یا کائنات میں بکھرے جلووں میں اُس کا نور نمایاں ہے۔ کسی بھی طرح ، کسی بھی جلوے میں اللہ کی تمام مخلوق اپنے کُل کا شعور رکھتی ہے۔ جب مخلوق کا اپنے خالق کے ساتھ رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو وہ خالق ہی کے ترانے کائنات میں گاتی جاتی ہے اور یوں تمام مخلوق ایک اَن دیکھی ڈور میں بندھ جاتی ہے۔ جب سبزیاں اُگانے کا ارادہ کیا جاتا ہے یا چمن کو آراستہ کرنے کا قصد تو کتنی مخلوق اللہ کے حکم سے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتی ہے جس سے چمن میں بہار آجاتی ہے ، درختوں میں پھل لگ جاتے ہیں اور کتنے ہی انسانوں کو روزگار مہیا ہو جاتا ہے۔ یہ تمام رشتے ایک مضبوط بندھن میں بندھ جاتے ہیں رشتے بھی بھلا کٹتے ہیں! کاٹ بھی دیے جائیں تو لامحسوس بندھن میں اپنی مخصوص خوشبو سے بندھے ہی رہتے ہیں۔ یہی وہ بندھن ہے جس کی وجہ سے ایک نیک دل انسان دنیا کے کسی کونے میں بھی دوسرے انسان کا دُکھ

Marfat.com

محسوس کرتا ہے اور انسان جانور تک کا دُکھ سمجھ لیتا ہے اور جانور بھی اپنے مالک کے غم میں شریک ہوتا ہے ، مالک کے پیار بھرے لمس کو پہچانتا ہے۔ کیا انسان اپنے خالق کے پیار بھرے سلوک کو نہیں پہچانتا؟ ...... اُس خالق و مالک کی ذات کو جو سراپا نور ہے ، فضاؤں میں روشن ہے ...... جو کبھی چاند کی چاندنی بن کے چمکتی ہے ، کبھی سورج کی دھوپ میں ظاہر ہے ، کبھی نیند کا جام پلا کر آنکھوں میں لہراتی ہے اور کبھی رات کی کالی فضا میں جسمِ فلک پر نور کی مشعل تھامے ستاروں کی شکل میں راہ نمائی کرتی ہے ، کہیں پھولوں کی خوشبو میں مہک رہی ہے ، کہیں جھرنوں کے گرنے کی مترنم آواز کی صورت میں سنائی دے رہی ہے ...... مگر انسان کو کیا ہو گیا کہ اُسے اِن آنکھوں سے ہر چیز نظر آ رہی ہے لیکن وہ ذاتِ واحد نظر نہیں آ رہی جس کے نور کے مظاہر کائنات میں بکھرے ہوئے ہیں؟ دیکھ تو میں بھی رہی ہوں ، جانور بھی دیکھ رہے ہیں۔ میں چونکہ جانوروں سے اشرف ہوں لہٰذا میری نظر بھی اشرف ہونی چاہیے۔ نورِ بصارت ہی نہیں ، نورِ بصیرت کو بھی کام میں لانا ہوگا۔ یہی آنکھ ہے جو گواہی دے گی کہ دنیا میں کیا دیکھا۔

جانور آج تک ویسا ہی ہے جیسے پہلے تھا۔ آج ہی میں نے پڑھا ہے کہ ایک کتیا اپنے بچوں کے ساتھ ٹائیگر کے بچوں کو بھی دودھ پلا رہی ہے کیونکہ اِن بے بی ٹائیگر کی ماں بیمار ہے۔ جانور پہلے بھی ہمدردی کرتا رہا ہے اور آج بھی ہمدردی کر رہا ہے ...... اور انسان؟ ...... اِس کا حال یہ ہے کہ ابھی حالیہ خبروں میں بتایا گیا کہ ایک قبیلے کے کتے نے دوسرے قبیلے کے گدھے کو کاٹ لیا۔ قبائل میں جنگ چھڑ گئی ، انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ کئی

Marfat.com

سال بیت گئے ، مگر غصے کی آگ ٹھنڈی نہ پڑی۔ آخر آج جرگے کا فیصلہ آ گیا کہ جس قبیلے کے کتے نے گدھے کو کاٹ لیا تھا ، اُس قبیلے کی پندرہ سال سے کم عمر دس بچیاں دشمن قبیلے میں بیاہ دی جائیں۔ یہ مظلوم لڑکیاں اب دشمن قبیلے میں جس طرح کی زندگی گزاریں گی ، وہ ایک عام انسان بھی جانتا ہے۔ یہ آج کا جدید دور ہے جس میں آج بھی اکثر افراد اُن جاہلانہ رسوم پر قائم ہیں جنھیں آج سے چودہ سو سال پہلے اللہ کا آخری نبی توڑ چکا تھا۔ آج کے جدید دور کی کتنی خبروں کو میں دُہراؤں؟ آج لوگوں کو انتہائی بے رحمی اور شقاوتِ قلبی کے ساتھ آگ میں زندہ جلایا جا رہا ہے۔ آج کے جدید روشن خیال دور میں چونکہ سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے ، اس لیے پیدا ہونے کے بعد لڑکی قتل نہیں کی جا رہی ہے بلکہ پیدا ہونے سے پہلے ہی الٹراساؤنڈ کا سہارا لے کر معلوم کر لیا جاتا ہے کہ اگر لڑکی ہو تو ماں کے پیٹ ہی میں ختم کر دی جائے۔ ماں کا پیٹ ، جو ربِ کائنات نے پناگاہ بنایا تھا ، آج لڑکیوں کی قتل گاہ بن رہا ہے۔ اور کہیں بیٹا ...... گھر کا وارث ...... منتوں ، مرادوں سے مانگا ہوا ...... وہی لڑکا جائیداد کا اکیلا اور جلدی وارث بننے کی ہوس میں اپنے ہی والدین اور بہنوں کو قتل کر رہا ہے۔ آج زنا کو قانونی شکل دے دی گئی ہے۔ آج کی روشن خیال دنیا میں قومِ لوطؑ کے عمل کو قدرتی عمل سمجھ لیا گیا ہے اور لوطؑ کی بستی کو ، جو آج بھی بحرِ مردار کی شکل میں اپنی عبرت کی داستان سنا رہی ہے ، بھلا دیا گیا ہے۔ آنکھیں تو دیکھ رہی ہیں لیکن عقل نہیں سمجھ رہی۔ آج بے حیائی عام ہے اورحیا کی چادر تار تار کر دی گئی ہے ...... اور اِس تار تار چادر کی

Marfat.com

جھری سے خیالوں میں دور نکلتے ہوئے میں دیکھ رہی ہوں اپنے جدِ امجد آدمؑ کو اور حواؑ کو جو اپنے رب کے حکم سے نکل گئے تھے اور یہ کہ وہ رب کی نافرمانی کر بیٹھے تھے۔ اِس کا احساس اِس طرح ہوا کہ اُن کے جسم، جو حیا کی چادر میں چھپے ہوئے تھے، ایک دوسرے کے سامنے عریاں ہو گئے ...... اور حیا، جو دین کا وصف ہے، جو جسمانی بھی ہے اور دماغی بھی جسموں کے عریاں ہونے سے دماغ میں جو پہلی بات آئی، وہ یہ کہ اللہ الواحد کے حکم کو توڑ ڈالا گیا، اُس کی نافرمانی ہوگئی اور یوں دین کے فطری تقاضوں کی تکمیل کے لیے پہلے تو وہ قریب کے درختوں سے پتے توڑ کر جسموں کو چھپانے لگے، پھر ندامت کے احساس سے توبہ و استغفار کرنے لگے، اپنے رب کے آگے گڑگڑانے لگے، آنسوؤں کی جھڑی لگا دی۔ اِتنی ندامت، رب کی نافرمانی پر گناہ کا اِتنا احساس اور اپنی بھول پر اِتنی شرمندگی! اور آج کا بظاہر روشن خیال انسان کپڑے پہن کر بھی عریاں ہے اور اُس کی عریانی اِس بات کا ثبوت ہے کہ وہ رب کا نافرمان ہے، گناہ گار ہے اور اپنی ضد، سرکشی میں وہ اِس بات کو نہ قبول کرنے کے لیے تیار ہے، نہ اُس پر سوچنے کے لیے اُس کے پاس وقت ہے۔ یہ عریانی اُس سے چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ دیکھو! ...... دیکھو! ...... آدمؑ کو دیکھو! ...... حواؑ کو دیکھو! ...... اُنھیں تو عریاں ہوتے ہی احساس ہو گیا تھا کہ وہ رب کے گناہ گار ہیں، اُس کے حکم کو توڑ بیٹھے ہیں ...... تو پھر آج کا یہ باشعور انسان جو پہاڑوں کی چوٹیاں سر کر چکا ہے، سمندر کی تہ میں اتر گیا ہے، جو چاند تک جا پہنچا ہے جو خلا میں اسٹیشن بنا رہا ہے، مریخ تک رسائی حاصل کر رہا

Marfat.com

ہے ، کیا اِسے اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کا احساس نہیں؟ کیا جسموں کی عریانی ہی اِس کے لیے اِس بات کا ثبوت نہیں کہ اللہ ناخوش ہے غضب میں آ چکا ہے ، اِسے عریاں کر چکا ہے؟ اب کس بات کی دیر ہے کہ یہ رب کی طرف پلٹ نہیں رہا؟ توبہ نہیں کر رہا؟ آدمؑ و حواؑ سے سبق نہیں لے رہا؟ کہ وہ ظلم جو وہ اپنی جانوں پر کر بیٹھے تھے ، بھولے سے رب کے حکم کو توڑ بیٹھے تھے ، اِس گناہ کی معافی کے لیے مدد بھی اُسی سے مانگی تھی کہ اُنھیں وہ الفاظ سکھا دے کہ جس سے وہ خود راضی ہو جائے۔ یہ ہے رب کے آگے سر جھکا دینے کا انداز! یہ ہے ربِ کائنات کو اپنانے کا انداز! ...... تو ربِ کائنات کیوں نہ اُنھیں معاف کرے اور آدمؑ کو نبی کا رتبہ دے کر زمین پر اپنا نائب کیوں نہ بنائے؟ ...... تو زمین پر اللہ کے اِس نائب کی یہ نسل جو خود بھی خلافتِ ارض کی حامل ہے ، اپنی حیا کی خوشبو کو پہچان کر رب الواحد کے غصے کو توبہ و استغفار کے آنسوؤں سے کیوں نہیں بجھا رہی؟ اور اپنے آپ کو رب کی بھڑکائی ہوئی آگ اور اُس کے عذاب سے کیوں نہیں بچا رہی؟ یہ قابل ، پڑھا لکھا ، باشعور انسان شیطان کا ساتھی کیوں بن گیا ہے؟ اور اِس کے ساتھیوں نے اِسے ایک راہ دکھائی ہے ، وہ یہ کہ اللہ نہ ایک ہے ، نہ دو ہیں ، نہ تین ہیں ، نہ اِس سے زیادہ ہیں ، بلکہ اللہ کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ جو کچھ کائنات میں ہے ، خود بخود ایک نظام کے تحت چل رہا ہے اور ایک دن آئے گا کہ دنیا ختم ہو جائے گی لوگ مر جائیں گے اور مٹی میں مل جائیں گے اور اِنھی خیالات کا یہ پرچار کر رہے ہیں۔ آج کے ''باشعور'' لوگ بھی اِن کے پیچھے چل پڑے ہیں

Marfat.com

آج کا مادہ پرست انسان اپنے مال کو ایسی تجارت میں لگا رہا ہے جس سے اِسے نقصان کا ذرا بھی اندیشہ نہیں بلکہ سو فی صد ضمانت ہے کہ اِس کا مال نہ صرف محفوظ رہے گا بلکہ دُگنا اور تگنا واپس ملے گا۔ حیرت ہے کہ روزمرہ زندگی میں یہ اپنی عقل کا اِس قدر استعمال کرتا ہے کہ مال خرچ کرنے سے پہلے لوگوں سے مشورے کرتا ہے، پالیسی میکرز سے بحثیں کرتا ہے اور نقصان نہ ہونے کے مکمل اطمینان کے بعد ہی کوئی قدم اٹھاتا ہے! ...... میں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوں کہ یہی انسان اپنی جانوں کے معاملے میں وہ سودا کر رہا ہے جس میں سراسر نقصان ہے۔ اگر اپنے عقیدے کے مطابق یہ مر کر مٹی ہو گیا تو اِس میں نہ نقصان نہ فائدہ ...... پیدا ہوئے، جد و جہد کی، زندگی گزاری، مر گئے اور مٹی ہو گئے ......لیکن کیا ایک لمحے کے لیے بھی سوچا کہ اگر واقعی یہ بات سچ نکلی کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اِسی جسم اِنھی احساسات و جذبات کے ساتھ اور پھر حساب دینا ہے پہلے سانس سے آخری سانس تک کا، ایک ایک لمحے کا ریکارڈ سامنے آئے گا تو پھر کیا ہوگا؟ کیا نقصان نہ ہوگا؟ تو پھر اِن دو عقیدوں میں سے کون سا عقیدہ عقل تسلیم کرتی ہے؟ میرے لیے یہی عقیدہ کافی ہے جس میں جان کے نقصان کا ڈر ہے ...... اور جب جانی نقصان کا ڈر ہے تو اُن لوگوں کے ہم قدم کیوں نہ ہوں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے بچتے ہیں؟

جب سے میں پیدا ہوئی ہوں، میری کچھ ضروریات ہیں اور کچھ تقاضے ہیں۔ میرے جسم کے لیے ضروری ہے کہ میں کچھ کھاؤں پیوں۔ غذا، جو میری جسمانی ضرورت ہے، ایک ڈبل روٹی کے ٹکڑے اور ایک گلاس پانی

Marfat.com

سے بھی پوری ہو سکتی ہے، لیکن میرے علم میں یہ بات ہے کہ اگر ایک صحت مند زندگی گزارنی ہے تو متوازن غذا کھانی ہوگی اور متوازن غذا میں پروٹین، کاربوہائیڈریٹ، وٹامن لپڈ اور فائبر شامل ہیں۔ یہ تمام اجزا انسان کو پھلوں، دالوں اور سبزیوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہ غذا کھانا میری ضرورت نہیں بلکہ میرا مقصد ہے اور مقصد یہ ہے کہ صحت مند و تن درست زندگی گزارنے کے لیے جس توانائی کی ضروت ہے وہ میں اِس غذا سے حاصل کرسکوں۔ مثلاً میں پڑھوں لکھوں، اعلیٰ تعلیم حاصل کروں تاکہ عزت و شہرت حاصل کر سکوں، عیش و آرام سے رہ سکوں۔ میں اپنے بچوں کو بھی اِسی مقصد سے پڑھا رہی ہوں کہ کل وہ ایک بہترین اور آرام دہ زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں۔ جب ایک انسان ہونے کے ناتے میں نے اپنی زندگی کے مقاصد بنا رکھے ہیں تو مجھے لمحہ بھر کے لیے یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ میرا اپنا وجود بھی کسی مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے ...... اور وہ مقصد ہے اپنے خالق کو پہچاننا لیکن میں کمزور ہوں، نادان ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ خالق کون ہے، اُسے کیسے پہچانا جا سکتا ہے اور وہ کیا چاہتا ہے اِس کے لیے مجھے دیکھنا ہوگا اپنے چاروں طرف بکھرے انسانوں کو ...... اپنے سے پہلے کے انسانوں کو اور اُن سے پہلے کے انسانوں کو ...... مجھے تاریخ کو کھنگالنا ہوگا ...... انبیا اور رسل کیا پیغام دیتے رہے، جو کتابیں اُنھیں دی گئیں وہ کیا کہتی ہیں ...... مجھے ستاروں کو دیکھنا ہوگا، آسمان کو تکنا ہوگا، سمندر میں جھانکنا ہوگا، جنگلوں میں گھسنا ہوگا، کائنات میں پھیلی چہار سُو نشانیوں کے حسن و رعنائی کو جانچنا ہوگا اور غور سے، بہت غور سے، قلبی کانوں سے

سننا ہوگا ، قلبی آنکھوں سے دیکھنا ہوگا اور روح کی پہچان کرنی ہوگی ...... تب آشکار ہوگا کہ کائنات میں صرف الواحد ہی کی عظمت کے ترانے گائے جا رہے ہیں۔

اور آج ...... عمر کے اِس دور میں ...... مَیں اپنے آنگن میں بچھی چارپائی پر مطمئن انداز میں لیٹی اپنی زندگی کے اوراق پلٹ رہی ہوں تو سوچ رہی ہوں کہ زندگی گزارنے کے لیے اگر صرف اور صرف رب الواحد کا سہارا لے لیا جائے تو نہ زندگی میں کسی چیز کی کمی رہتی ہے اور نہ محرومیت ...... اور زندگی کے تنگ لمحوں میں بھی اگر اُسی کو پکار لیا جائے تو اُسی میں اِتنی طاقت ہے کہ اِس تنگی کو فراخی میں بدل دے ...... لیکن جب راحتوں کا زمانہ ہو نعمتوں کی بارش ہو ، اُس کی ایک ایک نعمت سے مستفیض ہوا جا رہا ہو اور اُس وقت اُسی پروردگار کی شکرگزاری اور اُس کے احکام کو پسِ پشت ڈال دینا کیا اپنے اوپر زیادتی کے مترادف نہیں ہوگا؟

Marfat.com

تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک
تھی تین پہ سوئی مری ، ہیبت سے بجا ایک

(اکبر الہ آبادی)

Marfat.com

محترمہ

کوثر اختر کاظمی

کا مرتّبہ

اُن کے والدِ گرامی

محمّد رضی اختؔر مرحوم

کا مجموعۂ کلام

بیاضِ اختؔر

نقش پبلیکیشنز

کے تحت اشاعت پذیر ہے۔

نقش پبلیکیشنز

۵۰۵، فیز۲، رفیق پلازا، بالمقابل ماما پارسی سکول، نزدِ سعید منزل
ام۔ اے۔ جناح روڈ، کراچی۔ فون: ۰۲۱-۲۰۲۷۲۱۵
ای میل naqshpublications@yahoo.com

Marfat.com

نقش پبلیکیشنز

جہاں

- مسودے کی چھان پھٹک اور ضروری مشاورت
- مواد کی بہ اعتبارِ موضوع ترتیب و تزئین
- معیاری کتابت اور ذمہ دارانہ تصحیح و تدوین
- کتاب پر تقریظ/مقدمہ نگاری
- سرورق کی دیدہ زیب مصوری

اور

- دیگر اہم متعلقہ امور کی ذمہ داری قبول کی جاتی ہے۔

❁❁❁❁❁❁

رجوع فرمائیے:

NAQSH

نقش پبلیکیشنز

۵۰۵، فیز۲، رفیق پلازا، بالمقابل ماما پارسی سکول، نزدِ سعید منزل

ام۔ اے۔ جناح روڈ، کراچی۔ فون: ۲۰۲۷۲۱۵-۰۲۱

ای میل naqshpublications@yahoo.com

Marfat.com

Marfat.com